مجلہ
ماہنامہ
# الحقیقہ
پاکستان
دسمبر 2005ء



واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا

## اتحادِ ملت کی ضرورت و صورت

## فریضہ دعوت و تبلیغ



## توحید اور محبوبانِ خدا کے کمالات

## یومِ اقبال منایا گیا

حضرت اقبال کے حوالے سے سرپرستِ اعلیٰ کا فکر انگیز اداریہ

## اسلام اور شیطان کے سپوت

## حضور نقشِ لاثانی قدس سرہ النورانی کی خدمات کی برکات

## اور سنیچری مکمل ہو گئی

مرزائیت کے حوالے سے علامہ طاہر عبدالرزاق کی عبرت انگیز تحریر

# مولا اور پھر بندۂ مولا

مولا اور پھر بندۂ مولا صلی اللہ علیہ وسلم
یکتا اور پھر مظہر یکتا صلی اللہ علیہ وسلم
اپنے رب کا نائب اعظم ، سید عالم ، ہادیٔ اکرم
کون و مکاں میں کون ہے ایسا صلی اللہ علیہ وسلم
نام مقدس کیف کا ساماں ٔ روح کی تسکیں ' درد کا درماں
ٹوٹے ہوئے ہر دل کا سہارا صلی اللہ علیہ وسلم
واہ وہ ان کا روئے منور ، واہ وہ ان کی خوئے معطر
واہ وہ ان کا اسوۂ حسنہ صلی اللہ علیہ وسلم
شافی و شافع ، جامع و مانع ، کافی و وافی ، رافع و نافع
سرورِ دنیا ، رہبر عقبٰی صلی اللہ علیہ وسلم
وہ آئے تو عالم جاگا ، حق آیا اور باطل بھاگا
ہر سو ہو گیا صبح سویرا صلی اللہ علیہ وسلم
آیہ آیۂ رحمت ، شو شہ شوشہ ضامن جنت
ان پہ یہ کیسا قران اترا صلی اللہ علیہ وسلم
اب نہ وہ فرعونوں کی ہیبت ، اب نہ وہ دور جو رو جہا لت
بدلا یکسر دہر کا نقشہ صلی اللہ علیہ وسلم
آ ؤ چلیں در بار نبی ﷺ میں ، ہم بھی تو مانگیں کا ن اور آ نکھیں
کر دیں ہمیں بھی شنوا و بینا صلی اللہ علیہ وسلم
اب بھی وہی آئینہ رحماں ، رحمت دوراں ، محسن انساں
اب بھی وہی ہیں قاسم نعما صلی اللہ علیہ وسلم
آسی سگِ نقشِ لاثانی ، پوچھتے کیا ہو اس کی کہانی
یہ بھی ہے آل نبی کا منگتا صلی اللہ علیہ وسلم

﴿...... پروفیسر محمد حسین آسی ......﴾

علمبردارِ حق کی عظیم تحریک شیرانِ اسلام کا ترجمان

ماہنامہ
# الحقیقہ
مجلہ
پاکستان

ذیقعد ۱۴۲۶ھ دسمبر 2005ء جلد نمبر 6 شمارہ نمبر 3

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ

اے نبی جہاد کرو کافروں اور منافقوں سے اور ان پر سختی کرو

زیرِ سرپرستی
حضرت علامہ مولانا پروفیسر
محمد حسین آسی نقشبندی قادری

مدیر اعلیٰ: شجاعت علی مجاہد
مدیر مسئول: افتخار احمد ممنون
مدیر منتظم: شمس الدین نقشبندی

مجلس مشاورت
صاحبزادہ نور المصطفیٰ رضوی
علامہ شفقات احمد نقشبندی
ڈاکٹر محمد ظفر اقبال نوری
محمد رضاء الدین صدیقی
حاجی اخلاق احمد نقشبندی

مشیر قانون: محمد اکبر چوہدری ایڈووکیٹ ہائیکورٹ

زیر اہتمام: الحاج شوکت علی شہزاد

کمپوزنگ: محمد اکرام مجاہدی

فہرست



زرِ تعاون

پاکستان فی پرچہ 15 روپے سالانہ بذریعہ ڈاک -/150

| | فی پرچہ | سالانہ چندہ |
|---|---|---|
| یورپ | 1 پونڈ | 10 پونڈ |
| یو ایس اے | 1.5 ڈالر | 15 ڈالر |
| عرب ممالک | 3 ریال | 30 ریال |

لاثانی بک اینڈ کمپوزنگ سنٹر ریلوے روڈ نزد نیشنل بنک شکر گڑھ

پبلشرز: پروفیسر محمد حسین آسی نے احدین پرنٹرز داتا دربار مارکیٹ سے چھپوا کر مرکزی دفتر مجلہ الحقیقہ نقش لاثانی نگر شکر گڑھ فون 0542-451734 نارووال سے شائع کیا

رابطہ: صوفی محمد آصف نقشبندی انچارج دفتر الحقیقہ نقش لاثانی نگر شکر گڑھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ

یونس۔۶۲

ترجمہ: سُن لو اللہ کے ولیوں پر نہ کچھ خوف ہے اور نہ کچھ غم

کلمۃ الحقیقہ — اداریہ

# یومِ اقبال منایا گیا

سرپرستِ اعلیٰ کے قلم سے

۹ نومبر کا دن حکیم الامت محسن ملت مفکر پاکستان شاعر مشرق ترجمان حقیقت حضرت علامہ ڈاکٹر محمد اقبال علیہ الرحمہ کا یوم ولادت ہے اور وطن عزیز کے طول وعرض میں محبت وعقیدت سے اسے منایا گیا۔ سرکاری اداروں میں حسب روایت چھٹی کی گئی، بڑے اہتمام سے تقریبات کا انعقاد ہوا اور اخبارات میں مضامین شائع کئے گئے۔ حق یہ ہے کہ ایسا ہونا ہی چاہئے تھا بلکہ اس سے زیادہ ہونا چاہئے کیونکہ حضرت اقبال دور آخر کے عظیم ملی محسنوں میں سے ہیں جنھوں نے لاجواب خدمات سرانجام دیں۔ طبیب حاذق کی طرح ملی امراض کی تشخیص کی اور اس کا مداوا بھی بتایا۔ میرے خیال میں یہ ان کا بڑا احسان ہے کہ ملت کے نوجوان جنھیں انگریز نصاب تعلیم اور دوسرے ذرائع سے اپنے اسلام، اپنی تہذیب اور اپنے تمدن کے بارے میں احساس کہتری میں مبتلا کر رہے تھے، اقبال نے انھیں مرض مہلک سے، بہت حد تک بچا لیا، ان میں اپنے خدائے واحد وقادر پر ایمان، اپنے نبی اکرم واعظم ﷺ کا عشق اور اپنی تاریخ وتہذیب وتمدن کی برتری پر یقین سکھایا۔ یہی نوجوان تھے جو حضرت حکیم الامت علیہ الرحمہ سے خود اعتمادی کا درس لے کر بیداری ملت کا سبب اور تحریک پاکستان کا ہراول دستہ بنے۔

ہمیں یقین ہے کہ وہ واقعہ بالکل صحیح ہے جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اقبال کی یہ عاشقانہ ومخلصانہ کاوشیں بارگاہ رسالتمآب ﷺ میں مقبول ہوئیں۔ اگرچہ یہ واقعہ آپ 'الحقیقہ' کے کسی شمارے میں پہلے بھی ملاحظہ فرما چکے ہوں گے، از راہ تبرک اسے پھر نہایت اختصار سے پیش کیا جاتا ہے۔ اس کا پس منظر یہ ہے کہ آپ ایک خواب میں ہونے والے ارشاد کی تعمیل میں حضرت سیدنا مجدد الف ثانی قدس سرہ کے روضہ پرنور پر سرہند شریف میں حاضر ہوئے۔ وہاں کے منتظم خلیفہ محمد صادق علیہ الرحمہ نے مزار شریف پر تخلیے کا اہتمام کر دیا تو آپ تنہائی میں مراقب ہو گئے۔ اس مراقبے میں شیخ المجدد دین حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ نے ان سے فرمایا

"تمھاری دینی خدمات سرکار دوعالم ﷺ کی بارگاہ میں مقبول ہو گئی ہیں۔ آنحضور ﷺ کی تم پر خاص نگاہ کرم ہے"۔

(حضرت مجدد الف ثانی اور ڈاکٹر محمد اقبال از مسعود ملت)

اتنے بڑے 'محسن' کا دن منانا احسان شناسی کا اہم تقاضا ہے اور اس سے بھی زیادہ اہم یہ ہے کہ ان کے مشن کو سامنے رکھا جائے اور کتاب

وسنت سے اپنی وابستگی کو یقینی بنایا جائے۔ حضرت اقبال علیہ الرحمہ کو محبوب خدا علیہ التحیۃ والثنا سے مثالی عشق تھا، آخری دور میں تو یہ عشق اس ترقی پر تھا کہ جونہی کسی نے حضور پرنور ﷺ کا نام پاک لیا، عاشق صادق کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی۔ وہ اسی 'عشق کو ملت کے مصائب و مسائل کا علاج اور حل سمجھتے تھے۔ انھوں نے عمر بھر اسی دولت کو سینے سے لگائے رکھا اور اسی محبت کی تجلیات سے سینوں کو منور کرنے کی سعی محمود کرتے رہے۔ جواب شکوہ کے یہ اشعار کسے یاد نہیں

قوتِ عشق سے ہر پست کو بالا کر دے　　　دہر میں اسم محمد ﷺ سے اجالا کر دے

کی محمد سے وفا تونے تو ہم تیرے ہیں　　　یہ جہاں چیز ہے کیا، لوح و قلم تیرے ہیں

وہ مغرب کے تہذیبی مراکز کو قریب سے دیکھنے اور جدید سائنس و فلسفہ کی تہ تک پہنچنے کے باوجود اس سے متاثر نہیں ہوئے کیونکہ وہ عاشق رسول تھے اور مدینہ منورہ اور نجف اشرف سے ان کا والہانہ تعلق ہمیشہ برقرار رہا۔ خود فرماتے ہیں

خیرہ نہ کر سکا مجھے جلوہ دانش فرنگ　　　سرمہ ہے میری آنکھ کا خاک مدینہ و نجف

حضرت اقبالؔ کے عاشقان زار اور وارثان فکر و نظر اب بھی موجود ہیں۔ جناب مجید نظامیؔ ایڈیٹر نوائے وقت۔ ایسے ہی خوش نصیب لوگوں میں بڑے نمایاں ہیں۔ انھوں نے ہمیشہ قائد و اقبال کی تعلیمات کو اپنانے پر زور دیا ہے اور یقیناً یہ ان کی زندگی کا ایک چمکتا ہوا عنوان ہے۔ وہ حمید نظامی مرحوم کے بھائی ہیں جو ان دونوں محسنوں سے نہایت مخلصانہ عشق رکھتے تھے اور عمر بھر انھیں کے مشن کی ترجمانی کرتے رہے۔ انھوں نے 'نوائے وقت' کے اداریئے کی پیشانی کے پر ہمیشہ یہ سطر لکھی، جو آج بھی جاری ہے۔

'بہترین جہاد جابر سلطان کے سامنے کلمہ حق کہنا ہے' (حدیث پاک)

بلاشبہ حمید نظامی مرحوم یہ بہترین جہاد سرانجام دیتے رہے اور اس راہ میں انھوں نے کسی ترہیب و ترغیب کی مطلقاً پروا نہیں کی۔ مجید نظامی دام اقبالہ بھی بہت حد تک اس فرض محبت کو نبھاتے رہے اور ہمیں خوشی ہے کہ آج بھی نوائے وقت اسی مشن پر بہت حد تک عمل پیرا ہے۔ اس کے اداریئے اگرچہ پہلے دور کے معیار پر بالکل پورے نہیں اترتے، تاہم غنیمت ہیں بلکہ اس وقت بھی دوسرے تمام اخبارات سے بہتر اور بصیرت افروز ہوتے ہیں۔

مجید نظامی بلاشبہ ایک مجاہد ہیں اور یقیناً قابل قدر ہیں۔ مگر بعض امور میں ان کے طرز عمل سے ہمیں سخت حیرت ہوتی ہے، مثلاً حضرت اقبالؔ کے فکری وارث ہیں اور شاید 'نعرے' کی حد تک ان سے کوئی بڑا وارث نہیں مگر اس کے باوجود 'بعض امور میں یہ اپنے اس عظیم پیر و مرشد علیہ الرحمۃ کی قطعاً پروا نہیں کرتے۔ مثلاً حضرت اقبالؔ عورتوں کو پردے کی سخت تلقین فرماتے ہیں اور انھیں غیر محرموں کے ساتھ بے پردہ گھل مل جانے کو پسند نہیں کرتے۔ انھوں نے اردو اور فارسی کلام میں اس 'پردے' پر بہت زور دیا ہے، مگر نجانے ہمارے مجید نظامیؔ کو عورتوں کو غیر محرموں کے ساتھ بے پردہ بٹھانے کا کیا شوق ہے اور ان کی خطابت کے جوہر غیروں کے سامنے کھولنے میں کیا دلچسپی ہے کہ ان کے ہر جلسے میں عورتوں مردوں کا اختلاط ضرور ہوتا ہے۔ یہی نہیں، پھر ان کی تصویریں بھی اخبار میں ضرور دی جاتی ہیں تاکہ جلسے کے حاضرین ہی ان کی 'بے پردگی' سے لطف نہ اٹھائیں، قارئین بھی اس سے مستفیض و مستفید ہوں۔ کاش انھیں اور نہیں تو حضرت اقبال کے یہ اشعار ہی یاد ہوتے جو اس موضوع پر رہنمائی کرنے کے لئے کافی ہیں مثلاً ان کی پیشگوئی

یہ کوئی دن کی بات ہے اے مرد ہوشمند　　　غیرت نہ تجھ میں ہوگی نہ زن اوٹ چاہے گی

آتا ہے اب وہ دور کہ اولاد کے عوض　　　کونسل کی ممبری کے لئے ووٹ چاہے گی

کیا حضرت نظامی سوچیں کہیں انھیں کو تو نہیں فرمایا جارہا 'غیرت نہ تجھ میں ہوگی'۔

رموز بیخودی میں ایک نظم ہے 'خطاب بہ مخدرات اسلام' جس کا پہلا ہی شعر ہے

اے ردایت پردہ ناموس ما تاب تو سرمایہ فانوس ما

یعنی 'اے مسلمان خاتون تیری چادر ہمارے ناموس کا پردہ ہے۔ تیری روشنی سے ہمارا فانوس روشن ہے

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں

اگر بندے زور ویشے بگیری ہزار امت بمیرد تو نہ میری
بتولے باش و پنہاں شوازیں عصر کہ در آغوش شبیرے بگیری

(ارمغان حجاز)

ترجمہ: اگر تو اس درویش کی نصیحت پلے باندھ لے، تو ہزار قومیں مر جائیں گی مگر تو نہیں مرے گی (وہ نصیحت کیا ہے؟ یہی کہ)
حضرت سیدہ بتول زہرا رضی اللہ عنہا (کی کنیز) بن جاتا کہ ترا بیٹا حضرت (سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کا) غلام ہو۔
کون نہیں جانتا کہ حضرت حکیم الامت کو لسان العصر سید اکبرالہٰ آبادی (علیہما الرحمہ) سے جو فکری، ہم آہنگی اور نظریاتی یکسانیت حاصل تھی، وہ شاید اس دور کے کسی اور شاعر سے نہیں تھی۔ اور حضرت لسان العصر کا یہ قطعہ تو زبان زد خاص و عام ہے

بے پردہ کل جو آئیں نظر چند بیبیاں اکبرؔ زمیں میں غیرت قومی سے گڑ گیا!
پوچھا جو ان سے آپ کا پردہ وہ کیا ہوا کہنے لگیں کہ عقل پہ مردوں کی پڑ گیا

اس پس منظر میں کیا یہ کہنا بیجا ہوگا کہ جن خواتین کو جناب مجید نظامی کو مردوں کے ساتھ شانہ بشانہ بٹھا کر حضرت اقبالؔ کی عقیدت کا ثبوت دینے کی کوشش کرتے ہیں، یہ حکیم الامت کے مشن کی تکمیل نہیں بلکہ ان کی دلآزاری ہے۔ نظامی صاحب ایسا کیوں کرتے ہیں، شاید اس لئے کہ ان کے دل و دماغ پر بھی تہذیب نو کا جادو چھا گیا ہے اور یہ بھی شاید دور غلامی کا منحوس اثر ہے۔ کیونکہ خود حضرت اقبالؔ علیہ الرحمۃ کا اس سلسلے میں نقطہ نظر یہ ہے کہ

تھا جو ناخوب بتدریج وہی خوب ہو کہ غلامی میں بدل جاتا ہے مردوں کا ضمیر

حضرت نظامیؔ سے ہمیں یہی گلہ نہیں، کہ وہ مردوں اور عورتوں کے اختلاط کا خود اہتمام کرتے ہیں، بلکہ یہ بھی شکایت ہے کہ ان کی 'نوائے وقت' میں ننگے سر اور ننگے منہ بلکہ حیاباختہ عورتوں کی تصویریں باقاعدگی سے شائع ہوتی ہیں ایک طرف تو وہ مشرف حکومت کو عریانی اور فحاشی پھیلانے پر کوستے ہیں اور دوسری طرف ان کا اپنا عمل بھی اس سے مختلف نہیں۔ استقامت کا تقاضا تو یہ ہے کہ اس قسم کی ایک تصویر بھی شائع نہ کی جائے۔ بلکہ ایسا اشتہار بھی جس میں کسی بے حیا عورت کی تصویر ہو اخبار کے لئے قبول نہ کیا جائے' چہ جائیکہ ہر روز ایک ہی نہیں، متعدد ایسی تصاویر اشتہاروں میں اور بغیر اشتہار کے شائع کی جاتی ہیں۔ جابر سلطان کے سامنے کلمہ حق بلند کر کے بہترین جہاد کرنے والے مجید نظامی صاحب کے سامنے کلمہ حق کون بلند کرے اور کون انھیں سمجھائے کہ اے شمع اقبالؔ کے پروانے یہ عمل تیری شان کے لائق نہیں۔ تو حمید نظامی کا بھائی ہے، قائد و اقبال کی عقیدت کا دم بھرتا ہے، تجھے اپنے دل کے سامنے بھی کبھی کلمہ حق بلند کرنا چاہئے''۔ اقبالؔ نے ایک دفعہ اپنے دوست میاں شفیع کے ہاں اپنی اہلیہ محترمہ کو ساتھ نہ لیجانے کی وجہ خود ان سے یہ بیان فرمائی تھی کہ ان کے ہاں پردے کا اہتمام نہیں۔ جب انھوں نے عرض کیا کہ انھیں زنانے میں بٹھا دیا جاتا تو فرمایا 'جن گھروں میں پردہ نہیں ہوتا، وہاں زنانہ بھی مردانے کی طرح ہی ہوتا ہے''۔ یہ تھا پیر کا طرز فکر، اور اس کے برعکس مرید کا یہ حال ہے کہ جلسہ عام میں مردوں کے بالکل ساتھ ہی عورتوں کو بٹھاتا ہے اور ان کی نسوانی آواز سے ایسا عشق ہے کہ ان کی غیر حاضری کو کسی صورت برداشت نہیں کر سکتا۔''

مجید نظامی صاحب کو اس بات کی بھی خبر نہیں کہ جس شخصیت سے عقیدت ہوتی ہے، دراصل اس کے عقائد ونظریات سے والہانہ محبت ہوتی ہے اور جو شخص اس (شخصیت) کے خلاف عقائد ونظریات کا حامل ہو، سچا عاشق ومرید اس سے کوئی تعلق نہیں ہوتا اگر چہ وہ اس (شخصیت) کا بھائی، بیٹا اور شاگرد ہی کیوں نہ ہو۔ باپ اور بیٹے کے عقائد نظریات میں تصادم وتناقض تاریخ کے ابتدائی دور سے ہی ہوتا آیا ہے اور آج بھی ایسا ہو رہا ہے۔ اللہ جل مجدہ کے پاک پیغمبر حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹا کنعان کافر تھا۔ رب کریم نے اس کے بارے میں اپنے جلیل القدر نبی علیہ السلام سے

**قال ینوح انه لیس من اھلک ج انه عمل غیر صالح** (ھود۔۴۶)

ترجمہ: فرمایا اے نوح وہ تیرے گھر والوں میں نہیں، بے شک اس کے کام بڑے نالائق ہیں۔

اب اگر کوئی نوح علیہ السلام کے حوالے سے ان کے اس باغی بیٹے سے بھی عقیدت ومحبت کا رشتہ استوار کرے تو کیا اس سے اللہ تعالیٰ یا حضرت نوح علیہ السلام ہی خوش ہوں گے۔

یہ ایک دردناک لطیفہ ہے۔ سیالکوٹ میں ایک صاحب ہوا کرتے تھے، جن کی تعلیم تو واجبی سی تھی، تاہم انھیں میر محفل بننے کی بڑی عادت تھی اور وہ اپنی زندگی کے مشاہدات کچھ اس انداز میں نذر سامعین کیا کرتے تھے جیسے یہ نہایت قیمتی اور نادر معلومات ہوں۔ ایک دفعہ وہ اپنے ہی جیسے ایک محترم کا واقعہ سنا رہے تھے۔ گفتگو کے دوران فرمایا کہ میں نے ان صاحب سے پوچھا، جناب! آپ جمعہ کہاں پڑھتے ہیں، بولے 'میں آج کل جمعہ کہیں نہیں پڑھتا کیونکہ ان مولویوں سے بہت تنگ آ گیا ہوں۔ دیکھو یہ ملا لوگ ابوجہل کو برا کہتے ہیں، آخر وہ حضور (ﷺ) کا چچا تھا'۔ میر محفل اس پرسوز لہجے میں یہ واقعہ بیان کر رہے تھے کہ مجھے خطرہ محسوس ہوا کہیں وعظ کو سننے والے ابوجہل کو رضی اللہ عنہ نہ کہنا شروع کر دیں اور اس کے وسیلے سے کہیں دعا ہی نہ مانگنا شروع کر دیں۔ میں نے عرض کیا' برادری میں سے چچا ہی ہوگا مگر اسے تو خود حضور ﷺ نے اس امت کا فرعون فرمایا تھا۔ وہ تو عمر بھر ہمارے نبی کریم ﷺ کی سب سے زیادہ مخالفت کرتا رہا۔ ابولہب جو حقیقی چچا تھا، جب وہ گستاخی ودشمنی کی بنا پر مردود وملعون ٹھہرایا گیا اور اس کی اور اس کی بیوی کی مذمت میں سورۃ ابی لہب نازل ہوگئی تو اس کے مقابلے میں ابوجہل تو ویسے بھی ہاشمی کے بجائے مخزومی تھا۔

اس قسم کا فکری سانحہ ان پڑھ لوگوں کے ہاں ہو سکتا ہے' مجید نظامی صاحب تو ٹھیک ٹھاک صاحب علم ہیں، پھر انھیں یہ بات کیوں معلوم نہیں حضرت اقبال کا ناہنجار لخت جگر جس کا نام جاوید اقبال ہے اپنے والد ماجد علیہ الرحمۃ کے عقائد ونظریات کا باغی ہے۔ اسے کتاب وسنت پر ایمان ہے نہ تاریخ اسلام میں کوئی خوبی نظر آتی ہے۔ اگر اقبال آج دنیا میں جلوہ فرما ہوتے تو شاید اس کے سب سے بڑے دشمن ہوتے، اسے عاق کر کے گھر سے نکال دیتے اور کبھی اس کا منحوس چہرہ دیکھنا گوارا نہ کرتے۔ وہ اقبال جو تاریخ اسلام کو نہایت جوش واخروش اور ادب وعقیدت سے بیان کرتے ہیں، ان کے نالائق بیٹے کو اس کا سب سے سنہری دور یعنی خلفائے راشدین کا عہد ہمایوں بھی مثالی اور تابناک نظر نہیں آتا کبھی تو یہاں تک بک جاتا ہے "اگر قرآن بھی سود کی اجازت نہ دے تو اسے بھی چھوڑ دو"۔ اس قسم کا کافرانہ ذہن رکھنے والا بھی اگر مجید نظامی کو اس لئے محبوب ہے کہ وہ اس کے محبوب قائد کا نور نظر ہے تو ہمیں امید رکھنی چاہئے کہ کل کلاں جب اس کا فکر معاذ اللہ اور بلند ہو گیا تو ابوجہل اور ابولہب کے دن بھی بڑی عقیدت سے منایا کرے گا۔ واقعی انسان جب فکر وشعور کی صلاحیتوں سے دیدہ دانستہ بے تعلق ہو جاتا ہے تو کیا کیا گل کھلاتا ہے۔

جناب مجید نظامی کو اس بات کا احساس ہونا چاہے کہ حکیم الامت اقبال ہوں یا جناب قائد اعظم علیہما الرحمہ، دونوں کی کامیابی کا راز ان کی غیرت ایمانی تھی۔ یہ دونوں اسلام کے مقابلے میں کسی رشتہ وپیوند کی پروا نہیں کرتے تھے۔ ان کا دو قومی نظریہ بھی دراصل اسی غیرت عشق وایمان کی پیداوار تھا۔ جبہ ودستار سجانے والے ایسے حضرات جو غیرت ملی سے تہی دامن تھے، یک قومی نظریہ کے علمبردار تھے۔ قدرت نے انھیں خوب خوب ذلیل کیا اور یہ دونوں حضرات بظاہر مشکلا علمائے دین کے زمرے میں شمار نہ ہونے کے باوجود جیت گئے، کیوں؟ اسی لئے کہ ان کے مخالف ملا

حمیت وغیرت اسلامی سے کوسوں دور تھے اور یہ ان کے ہم خیال علماء مشائخ بلکہ عام کارکن بھی منزل مراد پا گئے کیونکہ وہ غیرت ایمانی سے معمو رتھے۔کون نہیں جانتا کہ قائداعظم نے اپنی حقیقی بیٹی سے بھی بائیکاٹ اسی بنا پر کر دیا تھا کہ وہ اپنی مسلمان ماں کی وفات کے بعد اپنے پارسی ننھیال میں تربیت حاصل کرنے کے سبب پارسی مذہب اختیار کر چکی تھی۔

مجید نظامی صاحب سے جو گلہ ہے، معاندانہ نہیں بلکہ محبانہ ہے۔ہم انھیں بڑے لوگوں کی یادگار اور خود انھیں بھی بڑا سمجھتے ہیں۔'نوائے وقت' کے علاوہ دوسرے قومی اخبارات کا رنگ ڈھنگ بھی سخت افسوسناک اور ملی تربیت کے تقاضوں کے سخت خلاف اور معیار سے گرا ہوا ہے۔ ہمارے نزدیک قومی ذرائع ابلاغ کو قوم کی فکری و عملی تربیت کرنا چاہئے نہ کہ جو نہایت فحش و حیا سوز تصاویر شائع کر کے نوجوانانِ ملت اور دختران قوم کو حیا باختہ کرنے کی ناپاک کوشش کریں۔اس سلسلے میں 'نوائے وقت' جسے ہم سب اخبارات کا 'امام' سمجھتے ہیں، بھی وہی خطرناک رویہ اختیار کرے تو کسی اور سے کیا گلہ کریں۔اس میں کوئی شک نہیں اس سب کے باوجود 'نوائے وقت' بہت سے امور میں بالکل درست رہنمائی کرتا ہے اور جب بھی کوئی ملی حادثہ پیش آتا ہے، ہم خود اس کی رائے کے منتظر رہتے ہیں، بلکہ ہمارا حال یہ ہے کہ جب تک نوائے وقت نہ دیکھ لیں ہم کسی بھی دوسرے اخبار سے مطمئن نہیں ہوتے۔میرا خیال ہے یہ طرز عمل میرا ہی نہیں، بہت سوں کا ہوگا۔لہذا مجید نظامی صاحب کو ٹھنڈے دل سے غور کر کے ایسی تمام لغزشوں اور فروگذاشتوں سے توبہ کرنی چاہئے اور اپنے منصب قیادت کے تقاضے پورے کرنے چاہئیں۔اقبال کے ناہنجار اور منہ پھٹ بیٹے کی اصلاح نہیں کر سکتے تو اسے قطعاً سر آنکھوں پر بٹھا کر ایک باغی اسلام کی حوصلہ افزائی نہ کریں

مجید صاحب تحریک پاکستان کے عظیم سپاہی ہیں۔انہیں ہر لحہ مخالفین پاکستان کی کج فکریاں اور کج ادائیاں پیش نظر رہنی چاہئیں۔مگر افسوس نظامی صاحب اس سلسلے میں بھی تساہل و تغافل سے کام لیتے ہیں۔مثلاً کئی بار نوائے وقت میں ایسے لوگوں کے حالات اس انداز سے شائع ہوتے ہیں جیسے وہ ملت کی تاریخ میں ہیرو کی حیثیت رکھتے ہوں حالانکہ وہ اپنے دور میں پاکستان اور بانی پاکستان کو گالیاں دیا کرتے تھے اور کفر و اسلام کی جنگ میں اکثر اسلام سے بیوفائی کر کے دشمنوں کے بازو مضبوط کرتے تھے پھر کبھی ان کی وجہ سے 'دشمن' 'کامیاب' بھی ہو جاتے تھے۔اگر نظامی صاحب ایسے واقعات کو فراموش کر چکے ہوں تو کم از کم مولانا ظفر علی خان مرحوم کی 'چمنستان' کی سیر ہی کر لیں تاکہ مسجد شہید گنج اور دوسرے ملی مسائل میں ان کی غداری کا انداز انھیں یاد آ جائے

ڈاکٹر اسرار بھی ملی اعتبار سے ایک ایسا ہی منحوس شخص ہے جو ایک عرصے سے مسلمانوں کو پاکستان کی معاذ اللہ شکست و ریخت کی 'خوشخبریاں' سنا رہا ہے۔'نوائے وقت' کو بار بار اپنے اداریوں میں اس کا تعاقب کرنا چاہئے تھا مگر ایسے بدبخت کے مضامین بھی اس میں وقتاً فوقتاً شائع ہوتے رہتے ہیں جو حسین احمد ٹانڈوی جیسے پاکستان دشمن کو تو رحمۃ اللہ علیہ بڑے شوق سے کہتا ہے، اور علامہ اقبال کو اس کا مستحق نہیں سمجھتا نیز قائداعظم کے بارے میں جھوٹ بکتا ہے۔یہی وہ ٹانڈوی صاحب ہیں جو مدنی کہلانے کے باوجود سرور قلب و سینہ حضور شہنشاہ مدینہ ﷺ کے دین کو ملت کی اساس کی بجائے انگریزوں کی طرح وطن کو بنائے ملت قرار دیتے تھے۔کیا ایسا غدار بھی 'رحمۃ اللہ علیہ' کا مستحق ہو سکتا ہے۔

'یوم اقبال' کے سلسلے میں شاید سب سے خوش کن وہ مضمون ہے۔جو 'حیات اقبال کا سبق' کے عنوان سے جناب مودودی نے کبھی لکھا تھا اور اس یوم اقبال کے موقع پر 'نوائے وقت' 'پاکستان' اور 'خبریں' کے علاوہ نجانے کس کس اخبار کی زینت بنا۔بلاشبہ یہ ایک قیمتی مضمون ہے اور حیات اقبال کا اصل سبق یہی ہے۔اس کے چند اقتباسات ملاحظہ ہوں۔مولانا فرماتے ہیں

**اقبال قرآن میں گم ہو چکا تھا:** سب جانتے ہیں کہ اقبال نے یہی مغربی تعلم حاصل کی تھی جو ہمارے نوجوان انگریزی یونیورسٹیوں میں حاصل کرتے ہیں۔یہی تاریخ، یہی ادب، یہی اقتصادیات، یہی سیاسیات، یہی قانون اور یہی فلسفہ انھوں نے بھی پڑھا تھا اور ان فنون میں بھی وہ

مبتدی نہ تھے، بلکہ منتہی فارغ التحصیل تھے۔خصوصاً فلسفہ میں تو ان کو امامت کا مرتبہ حاصل تھا جس کا اعتراف موجودہ دور کے اکابر فلسفہ تک کر چکے ہیں۔پھر مغرب اور اس کی تہذیب کو بھی اس نے محض ساحل پر سے نہیں دیکھا تھا جس طرح ہمارے ۹۹ فیصد نوجوان دیکھتے ہیں، بلکہ وہ اس دریا میں غوطہ لگا کر اتر چکا تھا اور ان سب مرحلوں سے گزرا تھا جن میں پہنچ کر ہماری قوم کے ہزاروں نوجوان اپنے دین وایمان اپنے اصول تہذیب وتمدن اور اپنے قومی اخلاق کے مبادی تک سے برگشتہ ہوجاتے ہیں حتیٰ کہ اپنی قومی زبان تک بولنے کے قابل نہیں رہتے

لیکن اس کے باوجود اس شخص کا کیا حال تھا؟ مغربی تعلیم وتہذیب کے سمندر میں قدم رکھتے وقت وہ جتنا مسلمان تھا، اس کے منجدھار میں پہنچ کر اس سے زیادہ مسلمان پایا گیا۔اس کی گہرائیوں میں جتنا اترتا گیا، اتنا ہی زیادہ مسلمان ہوتا گیا۔یہاں تک کہ اس کی تہ میں جب پہنچا تو دنیا نے دیکھا کہ وہ قرآن میں گم ہو چکا ہے اور قرآن سے الگ اس کا کوئی فکری وجود باقی ہی نہیں رہا۔وہ جو کچھ سوچتا تھا، جو کچھ دیکھتا تھا، قرآن کی نظر سے دیکھتا تھا۔حقیقت اور قرآن اس کے نزدیک شے واحد تھے اور اس شے واحد میں وہ اس طرح فنا ہو گیا تھا کہ اس دور کے علماء دین میں بھی مجھے ایسا کوئی شخص نظر نہیں آتا جو فنائیت فی القرآن میں اس امام فلسفہ اور اس ایم۔اے، پی ایچ ڈی، بار ایٹ لا سے لگا کھاتا ہو

بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ آخری دور میں اقبال نے تمام کتابوں کو الگ کر دیا تھا اور ماسوائے قرآن کے اور کوئی کتاب وہ اپنے پاس نہیں رکھتے تھے۔سالہا سال تک علوم وفنون کے دفتروں میں غرق رہنے کے بعد جس نتیجہ پر پہنچے تھے، وہ یہ تھا کہ اصل قرآن ہے اور یہ جس کے ہاتھ آجائے، وہ دنیا کی تمام کتابوں سے بے نیاز ہے۔ایک مرتبہ کسی شخص نے ان کے پاس فلسفہ کے چند سوالات بھیجے اور ان کا جواب مانگا۔ان کے قریب رہنے والے لوگ متوقع تھے کہ اب علامہ اپنی لائبریری کی الماریاں کھلوائیں گے اور بڑی بڑی کتابیں نکلوا کر ان مسائل کا حل تلاش کریں گے مگر وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ لائبریری کی الماریاں مقفل رہیں اور وہ صرف قرآن ہاتھ میں لے کر جواب لکھوانے بیٹھ گئے۔

**عشق رسول پاک**: رسول ﷺ کی ذات مبارک کے ساتھ ان کی والہانہ عقیدت کا حال اکثر لوگوں کو معلوم ہے مگر کسی کو یہ معلوم نہیں کہ انھوں نے اپنے سارے فلسفے، اپنی تمام عقلیت کو رسول عربی ﷺ کے قدموں پر ایک متاع حقیر کی طرح نذر کر کے رکھ دیا تھا۔حدیث کی جن باتوں پر نئے تعلیم یافتہ نہیں، پرانے مولوی تک کان کھڑے کرتے ہیں اور پہلو بدل بدل کر تاویلیں کرنے لگتے ہیں یہ ڈاکٹر آف فلاسفی ان کے ٹھیٹھ لفظی مفہوم پر ایمان رکھتا تھا اور ایسی کوئی حدیث سن کر ایک لمحہ کے لئے بھی اس کے دل میں شک کا گزر نہیں ہوتا تھا۔ایک مرتبہ ایک صاحب نے ان کے سامنے بڑے اچنبھے کے انداز میں اس حدیث کا ذکر کیا جس میں بیان ہوا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اصحاب ثلاثہ کے ساتھ کوہ احد پر تشریف رکھتے تھے۔اتنے میں احد لرزنے لگا۔حضور ﷺ نے فرمایا کہ ٹھہر جا۔تیرے اوپر ایک نبی، ایک صدیق اور دو شہیدوں کے سوا کوئی نہیں ہے۔اس پر پہاڑ ساکن ہو گیا۔اقبال نے حدیث سنتے ہی کہا کہ اس میں اچنبھے کی کونسی بات ہے۔میں اس کو استعارہ ومجاز نہیں، بالکل ایک مادی حقیقت سمجھتا ہوں اور میرے نزدیک اس کے لئے کسی تاویل کی حاجت نہیں۔اگر تم حقائق سے آگاہ ہوتے تو تمھیں معلوم ہوتا کہ ایک نبی کے نیچے مادے کے بڑے بڑے تودے بھی لرز جاتے ہیں۔مجازی طور پر نہیں، واقعی لرز اٹھتے ہیں۔

**اقبال اور پردہ**: اسلامی شریعت کے جن احکام کو بہت سے روشن خیال حضرات فرسودہ اور بوسیدہ قوانین سمجھتے ہیں اور جن پر اعتقاد رکھنا ان کے نزدیک ایسی تاریک خیالی ہے کہ مہذب سوسائٹی میں ان کی تائید کرنا ایک تعلیم یافتہ آدمی کے لئے ڈوب مرنے سے زیادہ بدتر ہے۔اقبال نہ صرف ان کو مانتا اور ان پر عمل کرتا، بلکہ برملا ان کی حمایت کرتا تھا اور اس کو کسی کے سامنے ان کی تائید کرنے میں باک نہ تھا۔اس کی ایک معمولی مثال سن لیجئے۔ایک دفعہ حکومت ہند نے ان کو جنوبی افریقہ میں اپنا ایجنٹ بنا کر بھیجنا چاہا اور یہ عہدہ ان کے سامنے باقاعدہ پیش کیا گیا مگر شرط یہ تھی کہ وہ اپنی بیوی کو پردہ نہ کرائیں اور سرکاری تقریبات میں لیڈی اقبال کو ساتھ لے کر شریک ہوا کریں گے۔اقبال نے اس شرط کے ساتھ یہ عہدہ

قبول کرنے سے صاف انکار کردیا اور خود لارڈ ولنگڈن سے کہا کہ میں بیشک ایک گنہگار آدمی ہوں اور احکام شریعت کی پابندی میں بہت کوتاہیاں مجھ سے ہوتی ہیں مگر اتنی ذلت اختیار نہیں کرسکتا کہ محض آپ کا ایک عہدہ حاصل کرنے کے لئے شریعت کے حکم کو توڑ دوں۔

اب ایک آخری اقتباس پیش کیا جاتا ہے۔ مولانا مزید فرماتے ہیں

**ایک سبق آموز واقعہ**: ایک مرتبہ کا واقعہ سن لیجئے، جس سے ایک بیرسٹر کی طبیعت کا آپ اندازہ کرسکیں گے۔ پنجاب کے ایک دولتمند رئیس نے ایک قانونی مشیر کیلئے اقبال، سر فضل حسین مرحوم۔ اور دو اور قانون دان اصحاب کو اپنے ہاں بلایا اور اپنی شاندار کوٹھی میں ان کے قیام کا انتظام کیا۔ رات کو جس وقت اقبال اپنے کمرے میں آرام کرنے کے لئے گئے تو ہر طرف عیش اور آرام کے سامان دیکھ کر اور اپنے نیچے نہایت نرم اور قیمتی بستر پا کر معاً ان کے دل میں خیال آیا کہ جس رسول ﷺ کی جوتیوں کے صدقے میں آج ہم کو یہ مرتبے نصیب ہوئے ہیں، انھوں نے بوریئے پر سو کر زندگی گزاری تھی۔ یہ خیال آنا تھا کہ آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی۔ اس بستر پر لیٹنا ان کے لئے ناممکن ہوگیا۔ اٹھے اور برابر کے غسل خانے میں جا کر ایک کرسی پر بیٹھ گئے اور مسلسل رونا شروع کردیا۔ جب ذرا دل کو قرار آیا تو اپنے ملازم کو بلا کر اپنا بستر کھلوایا اور ایک چارپائی غسل خانے میں بچھوائی اور جب تک وہاں مقیم رہے۔ غسل خانے ہی میں سوتے رہے (پرانے زمانے میں غسل خانے کے لئے بڑی حویلیوں میں الگ بڑی جگہ مختص ہوتی تھی) یہ وفات سے کئی برس پہلے کا واقعہ ہے۔ کسی کو خبر نہ تھی کہ اس سوٹ کے اندر جو شخص چھپا ہوا ہے' اس کی اصل شخصیت کیا ہے؟ وہ ان لوگوں میں نہ تھا جو سیاسی اغراض کے لئے سادگی وفقر کا اشتہار دیتے ہیں اور سوشلسٹ بن کر غریبوں کی خدمت کا دم بھرتے ہیں مگر پبلک کی نگاہوں سے ہٹ کر ان کی تمام زندگی رئیسانہ اور عیش پسندانہ ہوتی ہے

نوٹ: مولانا کے مضمون میں ذیلی عنوان نہیں ہیں، مضمون کو زیادہ عام فہم بنانے کے لئے یہ ہم نے اپنی طرف سے دیئے ہیں۔ سارا مضمون ہی قابل داد ہے۔ تاہم اس پر تفصیلی تبصرہ کرنے کی بجائے ہم مولانا کے 'متوسلین' معتقدین' سے یہ مختصر سا سوال ضرور کریں گے کہ کیا حضرت مودودی خود بھی حضرت اقبالؒ جتنا نہ سہی، ان جیسا طرز فکر رکھتے تھے، کیا انھیں قرآن پاک پر ایسا ہی ایمان تھا اور حضور اقدس ﷺ سے ایسی ہی والہانہ محبت تھی۔

'گر یہ نہیں تو بابا پھر سب کہانیاں ہیں'۔

**جناب مجید نظامی سے ایک اور گذارش**: نظامی صاحب اور حضرت اقبال علیہ الرحمۃ کے فکر میں اور بھی تضادات ہیں مثلاً جمہوریت کے بارے میں دونوں کے نقطہ نظر میں واضح فرق ہے، یونہی اجتہاد و تقلید کے تصورات بھی جداگانہ ہیں، مگر یہ اختلاف و تضاد اس وقت بڑا اچھبتا ہے، جب جناب نظامی اپنا نقطہ نظر حضرت اقبال کے نام سے پیش کرتے ہیں۔ (یہ علمی وفکری دیانت کے بھی خلاف ہے)

اس سلسلے میں سب سے پریشان کن امر یہ ہے کہ جناب نظامی جب بھی بات کرتے ہیں قائد و اقبال کی تعلیمات کے ذکر سے شروع کرتے ہیں، حالانکہ ایک مسلمان کو سب سے پہلے کتاب وسنت کا ذکر کرنا چاہئے۔ نجانے نظامی صاحب کو اس آسان سی حقیقت پر غور کرنے کا موقع ابھی تک کیوں نہیں مل سکا۔ قائد اقبال علیہما الرحمۃ یقیناً ہمارے عظیم محسن ہیں مگر معصوم نہیں اور پھر ان کی تعلیمات ہمارے نظریات کی بنیاد نہیں ہمارے نظریات کی بنیاد تو وہ ہیں۔ جن پر ہمارا ایمان ہے، یعنی اللہ کا کلام لاریب اور حضور اکرم ﷺ کی سنت سنیہ۔ مثلاً کتاب وسنت کے بجائے حضرات مجدد الف ثانی، امام غزالی، مولانا روم بلکہ حضور غوث اعظم، بلکہ حضرت امام اعظم بلکہ صحابہ کرام واہل بیت رضی اللہ عنہم کی تعلیمات کو اپنے موقف کی بنیاد بنائیں تو کیا یہ مناسب ہوگا۔ یہ سب بزرگ ہیں، ہمارے سر کا تاج ہیں، ہم ان کے حقیر غلام ہیں۔ ہمیں یقین ہے کہ ان کی ذوات قدسیہ اخلاص وعرفان کا سرچشمہ ہیں۔ انھوں نے عمر بھر کتاب وسنت سے تمسک اختیار کئے رکھا اور ان کی ایک بات بھی کتاب وسنت کے انوار سے

خالی نہیں جوان کا احترام وادب نہیں کرتا، بدبخت بدنصیب ہیں۔ تفسیر کتاب وسنت کی حیثیت سے بھی ان کے ارشادات پر ہمیں پورا اعتماد ہے، تاہم ایمان کی بنیاد کتاب وسنت ہے، مگر جناب نظامی اتنا دانا وبینا ہونے کے باوجود جب کرتا ہے قائد اقبال ہی کی بات کرتا ہے اور انھیں کی تعلیمات اپنانے پر زور دیتا ہے، حالانکہ یہ دونوں بزرگ جب بھی بات کرتے تھے، کتاب وسنت کی کرتے تھے۔ شاید نظامی صاحب یہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ یہ ان دو عظیم محسنوں کے واحد ٹھیکیدار ہیں۔ حالانکہ اوپر گزر چکا ہے کہ ان دونوں سے انھیں خصوصاً حضرت اقبال علیہ الرحمۃ کے نظر بات سے بھی خاصا بعد ہے

**حکمرانوں کی بے غیرتی اور اسلام دشمنی:** گزشتہ دنوں ایک شیطان زادے نے قرآن پاک کو نذر آتش کیا تو ہمارے بدبخت اور اسلام دشمن حکمرانوں کے کان پر جوں تک نہ رینگی جیسے یہ پاکستان کے نہیں بلکہ کسی اور کافر مملکت کے سی۔ آئی۔ ڈی افسر ہوں پھر پادریوں نے ایک سازش کر کے خود گرجوں کو آگ لگائی تو خواب خرگوش میں سوئی ہوئی حکومت اچانک بیدار ہوگئی۔ تفصیل کے لئے قبلہ ڈاکٹر سرفراز نعیمی کا ایک بیان ملاحظہ ہو اور اس سے معاملے کی سنگینی کا جائزہ لیجئے۔

لاہور (اپنے نامہ نگار سے) اتحاد تنظیمات مدارس دینیہ کے سیکرٹری جنرل ڈاکٹر سرفراز نعیمی نے مطالبہ کیا ہے کہ حکومت سانگلہ ہل کے واقعہ کو دبانے کی بجائے گرجا گھروں کو نذر آتش کرنیوالے پادریوں کو گرفتار کر کے شامل تفتیش کرے اور بے گناہ کمسن بچوں پر بنائے گئے مقدمات واپس لے کر انہیں فی الفور رہا کرے پیر کے روز دفاع اسلام محاذ کا اجلاس ہوگا اور منگل کو عہدیداروں کو وفد سانگلہ ہل کا دورہ کر کے بے گناہ لوگوں سے اظہار یکجہتی کرے گا ''پاکستان'' سے خصوصی گفتگو کرتے ہوئے انہوں نے حکمرانوں کی طرف سے قرآن پاک جلائے جانے کے واقعہ کی بجائے گرجا گھروں کو جلائے جانے پر اظہار افسوس کی مذمت کی اور کہا کہ ان کے نزدیک قرآن کی کوئی حیثیت نہیں اور گرجا اہمیت کا حامل ہے ڈاکٹر سرفراز نعیمی نے خبردار کرتے ہوئے کہا کہ قرآن محل کو نذر آتش اور گرجا گھروں کو جلانے والے پادریوں کو ملک سے فرار کرانے کا منصوبہ بن رہا ہے۔ حکومت ان کے فرار کا راستہ روکے ورنہ ملزمان کی عدم موجودگی سے شواہد نہیں ملیں گے انہوں نے کہا کہ قرآن محل کے بعد ایک سوچی سمجھی سازش کے تحت شانتی نگر میں استعمال ہونیوالے کیمیکل سے آگ لگائی گئی جس نے منٹوں میں 40 فٹ بلند شعلہ کر دیا جبکہ گرجا گھروں کو آگ لگانے کے آدھے گھنٹے بعد 88 افراد کے خلاف مقدمہ بھی درج ہو گیا جن میں 12 سال کے بچوں سمیت ایک دولہا جس کی اسی دن شادی تھی کے خلاف پرچہ درج کر دیا گیا انہوں نے بتایا کہ جن مسلمانوں کے خلاف مقدمات درج ہوئے ہیں ریاستی خوف کی وجہ سے کوئی وکیل ان کا کیس پکڑنے کو تیار نہیں ہے انہوں نے کہا کہ حکمرانوں کے پاس پادریوں سے ملنے کا وقت ہے لیکن مسلم علماء سے ملنے کا وقت نہیں انہوں نے وفاقی وزیر اعجاز الحق کی طرف سے اس بیان کی بھی مذمت کی جس میں انہوں نے کہا تھا کہ گرجا گھروں کو آگ مسلمانوں نے لگائی ہے انہوں نے کہا کہ گرجا گھروں میں مصنوعی طریقے سے لگائی جانیوالی آگ کی غیر جانبدارانہ تحقیقات کرائی جائے اور اصل حقائق کو سامنے لایا جائے انہوں نے مذہبی جماعتوں کی طرف سے اس واقعہ پر خاموشی پر حیرانگی کا اظہار کرتے ہوئے اسلام کا نام لیوا جماعتیں قرآن پاک جلائے جانے کے وقت پر خاموش بیٹھی ہیں انہوں نے کہا کہ حکومت پر غیر ملکی دباؤ کی وجہ سے گرجا گھروں کو جلانے کے واقعہ کی تحقیقات روک دی گئی ہیں کیونکہ اس سے اصل ملزمان سامنے آئیں گے جو ان کے اپنے ہی پادری ہیں انہوں نے کہا کہ حکومت بے گناہ گرفتار مسلمانوں کے خلاف درج مقدمات واپس لے کر انہیں بلا ضمانت رہا کرے اگر حکومت نے اس ضمن میں سنجیدگی سے نہ سوچا تو ہم راست اقدام کرینگے۔ (روزنامہ پاکستان 25 نومبر 2005)

☆......☆......☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# اسلام اور شیطان کے سپوت

قسط : 15

تحریر پروفیسر محمد حسین آسی

**مسلمان اور عیسائی میں فرق:۔** گذشتہ قسط میں آپ نہایت اختصار سے دیکھ چکے ہیں کہ شعبان ۴۹۲ھ (بمطابق جولائی ۱۰۹۹ء) میں عیسائیوں نے بیت المقدس پر قبضہ کیا تو ستر ہزار مسلمانوں کو شہید کرنے کے علاوہ اور کیا کیا ظلم وستم کئے بلکہ اس موقع پر یہودیوں کے ساتھ بھی ان کا سلوک سخت بہیمانہ تھا، اس کے باوجود، جب صلاح الدین ایوبی علیہ الرحمہ نے تقریباً نوے سال بعد ۲۷ رجب ۵۸۳ھ (بمطابق ستمبر ۱۱۸۷ء) دوبارہ اسے فتح کیا تو صاحب معراج ﷺ حضور رحمتہ للعلمین ﷺ کے غلام نے معراج شریف کے اس روز سعید میں انتقام لینے اور اسلام دشمنوں کو ان کے ظلم وستم کی سزا دینے کے بجائے ان سے ایسا رحمدلانہ برتاؤ کیا جو گویا حسن سلوک کی معراج تھا۔ کسی کا خون بہانے کی بجائے نادار عیسائیوں کا فدیہ تک معاف کر دیا گیا۔ اسی صلیبی جنگ کا ایک مشہور واقعہ ایسا بھی ہے (جسے اپنے بیگانے سب تسلیم کرتے ہیں اور فاتح مکہ ﷺ کے سچے غلام (صلاح الدین ایوبی علیہ الرحمہ) کے حوصلہ و ہمت کی داد دیتے ہیں۔ ہوا یہ کہ ''رچرڈ شیر دل (۱۱۸۹ء۔۱۱۹۹ء) فلسطین میں صلاح الدین ایوبی علیہ الرحمہ کے خلاف لڑ رہا تھا۔ ایک مرتبہ وہ بیمار ہو گیا تو ایام علالت میں صلاح الدین اسے کھانا، پھل اور مفرحات بھیجتا رہا۔ یہی رچرڈ تھا جس نے اس سے پہلے مسلمان فوج کے ایک دستے کو جو تین ہزار افراد پر مشتمل تھا۔ وعدہ معافی دے کر اس سے ہتھیار رکھوائے لیکن فوراً بعد اسلامی لشکر گاہ کے سامنے انھیں قتل کر ڈالا۔

جرمنی کا شہنشاہ فریڈرک دوم (۱۲۱۲ء۔۱۲۵۰ء) عربی کا عالم اور اسلامی تہذیب کا از حد گرویدہ تھا۔ جب پوپ نے اسے صلیبی جنگوں میں شمولیت پر مجبور کیا اور وہ فلسطین میں پہنچا تو مصر و شام کے بادشاہ محمد الکامل (۱۱۹۹ء۔۱۲۱۸ء) نے آگے بڑھ کر اس کا استقبال کیا اور بڑی خاطر و مدارات کی۔ عموماً یہ دونوں مسجد عمر میں بیٹھ کر علمی مسائل پر گفتگو کیا کرتے تھے۔ انھی ملاقاتوں میں ایک بار فریڈرک نے کہا تھا

''سلطان کتنا خوش قسمت ہے، جس کا کوئی پوپ نہیں''

جب فریڈرک نے واپسی کی تیاری کی تو سلطان نے اسے نہایت قیمتی تحائف دیئے۔ جن میں ایک کلاک بھی شامل تھا۔ یہ آسمان کی طرح گنبد نما تھا۔ اس میں ایک چاند اور ایک سورج بنا ہوا تھا۔ یہ آسمانی چاند سورج کی حرکت کے عین مطابق گھومتے تھے۔ جب آسمان کا سورج ڈوبتا تو کلاک کا آفتاب بھی چھپ جاتا تھا اور صبح کے وقت سورج کے ساتھ نکل آتا تھا۔ پر لطف بات یہ کہ سرما ہو یا گرما، ان دونوں آفتابوں کی حرکت میں سر مو فرق نہیں آتا تھا (یورپ پر اسلام کے احسان۔ از غلام جیلانی برق)

شیطان کے موجودہ سپوتوں سے بھی انصاف و دیانت کی توقع نہیں، ان کا مشن ہی بے سوچے اسلام کی برکتوں اور عظمتوں کے خلاف خواہ مخواہ پراپیگنڈا کرنا ہے، تاہم منصف مزاج دوست بتائیں کہ کیا اسی ایک واقعے سے یہ حقیقت بھی کھل کر سامنے نہیں آجاتی کہ اسلام ہی نے موجودہ

سائنس کا آغاز کیا اور اس کی بعض سائنسی 'فتوحات' سائنسی ترقی کے اس دور میں بھی حیرت انگیز ہیں۔ (تاہم اس وقت میرا یہ موضوع نہیں۔ انشاءاللہ کسی اگلی صحبت میں اس پر بھی اظہار خیال کیا جائے گا)۔ آج تو دکھانا مقصود ہے کہ اسلام کے فرزندوں کی فطرت رحم و کرم کے جذبات سے کس طرح سرشار ہوتی ہے اور رحمۃ للعلمین ﷺ کے غلاموں کی اس فطرت اور طرز فکر و عمل کو بعض دفعہ دشمنوں کا بدترین ظلم و ستم بھی تبدیل نہیں کر سکتا۔ اگر انسانیت اسی طرز فکر و عمل سے عبارت ہے تو فرمایئے اسلام کے علاوہ اس کے مظاہر اور کہاں نظر آتے ہیں اور سوچئے اس کی روشنی میں کیا کوئی یہ کہ سکتا ہے کہ انسان کو انسان بنانے میں اسلام کا کوئی عمل دخل نہیں یا یہ کہ انسانیت کا اسلام کے بغیر بھی تحفظ ہوسکتا ہے۔ آیئے سنئے **ایک اور واقعہ:**

''ول ڈیوران (ایج آف فیتھ ص ۳۰۸ میں) لکھتا ہے کہ ۱۰۷۱ء میں سلجوقی سلطان الپ ارسلان (۱۰۶۳ء-۱۰۷۲ء) اور قیصر رومنس چہارم میں کسی بات پر شدید اختلاف ہو گیا اور نوبت بہ جنگ رسید۔ قیصر ایک لاکھ فوج لے کر آگے بڑھا۔ الپ ارسلان کے پاس صرف پندرہ ہزار فوج تھی۔ ارسلان نے صلح کا پیغام بھیجا لیکن قیصر نے مسترد کر دیا جنگ شروع ہوگئی۔ قیصر کو شکست ہوئی اور وہ گرفتار ہو گیا۔ جب ارسلان کے سامنے پیش ہوا تو اس نے پوچھا 'اگر میں گرفتار ہو کر تمھارے سامنے پیش ہوتا تو تم مجھ سے کیا سلوک کرتے؟ کہا میں کوڑوں سے تمھاری کھال کھینچ لیتا۔ فرمایا: مسلم اور عیسائی میں یہی فرق ہے۔ اس کے بعد قیصر کی خدمت میں بیش بہا تحائف پیش کئے۔ اس کی سلطنت واپس دے دی اور بڑے شان و احترام سے رخصت کیا (یورپ پر اسلام کے احسان برق صاحب کے مطابق ول ڈیوران کو نام میں غلطی لگی ہے (۱۰۷۱ء میں روم کا فرمانروا مائیکل ہفتم تھا جس نے ۱۰۶۷ء سے ۱۰۷۸ء تک حکومت کی'۔

**اسلام کا اخلاقی انقلاب:** حقیقت یہی ہے کہ اسلام سے پہلے دنیا ساری کی ساری کفر و شرک ہی کی نہیں، ظلم و ستم کی بھی آماجگاہ تھی۔ ہر طرف وحشت و بربریت کا دور دورہ تھا اور ہر کہیں انسانیت کے قاتل دندناتے پھرتے تھے۔ پھر جہاں جہاں اسلام پہنچا، ایمان و عرفان کے نور ہی سے فضا جگمگا نہیں اٹھی بلکہ مہر و مروت رحم و کرم، صدق و صفا، شرم و حیا، عدل و انصاف کا باران رحمت بھی برسنے لگا۔ چنانچہ ہزاروں لاکھوں لوگ اس سے سیراب ہو کر ایمان سے بھی مشرف ہوئے اور انسانی اخلاق سے بھی۔ حقیقت یہ ہے اسلام کے فرزند جہاد کے لئے گئے یا تجارت کے لئے، ہر کہیں ان کے کردار نے انسانوں کے دل موہ لئے اور وہ جوق در جوق اسلام کے حلقہ بگوش ہوئے۔ ہاں ان کے برعکس ایسے لوگ بھی تھے جن کی فطرت مسخ ہو چکی تھی، وہ سب کچھ دیکھنے کے باوجود کوئی مثبت اثر لینے کے لئے تیار نہیں تھے، جنھیں انسانیت سے چڑ تھی اور رحم و کرم کی ان کے نزدیک کوئی اہمیت نہیں تھی۔ وہ فطرتاً مردم آزاد تھے اور محسن کش۔ انھیں اس سے کوئی غرض نہیں تھی کہ کسی نے ان سے کیسا سلوک کیا اور کس کس انداز سے انھیں ہلاکت سے محفوظ رکھنا چاہا ہے، انھیں صرف 'درندگی' آتی ہے اور اس پر وہ ڈٹے رہے سرزمین عرب ہو کہ ممالک غرب بھارت کا علاقہ ہو کہ سپین کا، انھوں نے مسلمانوں کو بہترین سلوک کا بدترین بدلا دیا۔ جناب برق فرماتے ہیں

مسلمانوں نے ہر ملک میں غیر مسلم رعایا کے ساتھ اسی طرح کا (جیسے صلاح الدین ایوبی علیہ الرحمہ نے کیا تھا) عادلانہ اور فیاضانہ سلوک روا رکھا۔ لیکن جب، ہم پر کسی قوم نے غلبہ پایا تو وہاں سے ہمارا نشان تک مٹا دیا۔ ہم سسلی پر دو سو چونسٹھ اور سپین پر سات سو اکاسی برس تک حکمران رہے لیکن آج وہاں ایک بھی مسلمان باقی نہیں ہے۔ ہندوستان پر ہمارا علم ایک ہزار برس تک لہراتا رہا۔ لیکن اب وہاں نسل کشی کی ایک خوفناک مہم جاری ہے۔

آپ اور جگہ فرماتے ہیں

تاریخ کا قطعی فیصلہ ہے کہ اگر مسلمان سپین اور سسلی میں نہ جاتے تو یورپ بربریت، فلاکت اور انتہائی بداخلاقی کی دلدلوں سے کبھی نہ نکل

سکتا۔مسلمانوں نے یورپ کوایک تابدار تمدن، عظیم الشان تہذیب ، بے شماردرسگاہیں اور ہرقسم کے علوم دیئے۔انھیں کپڑا پہننا، نہانا،کھانااور انسانوں کی طرح رہنا سہنا سکھایا،اخلاق وآداب کادرس دیا۔ان سے آٹھ سوبرس تک نہایت عادلانہ وفیاضانہ سلوک کیا۔

اپنے درباروں میں بڑے بڑے منصب دیئے۔سب کچھ کیالیکن جونہی انھیں زوال آیا۔عیسائیوں نے ان پرظلم وستم کے پہاڑگرانے شروع کردیئے۔۱۴۹۲ء میں اسلامی سلطنت کا خاتمہ ہواتھا۔صرف آٹھ برس ہی گزرے تھے کہ فردینان نے مسلمانوں سے اسلام چھڑانے کی مہم شروع کردی۔وہ اس طرح کہ تمام سرکردہ مسلمانوں کوجن کی تعدادساڑھے تین لاکھ تھی ، پکڑکرمذہبی عدالت کے سامنے پیش کردیا۔ان میں سے اٹھائیس ہزار پانچ سو چالیس کوموت کی سزاملی اور بارہ ہزارکوزندہ جلادیا گیا۔ان کی سینکڑوں لائبریریاں جن میں لاکھوں کتابیں تھیں ، سپرد آتش کردی گئیں۔ ۱۵۵۶ء میں فلپ دوم نے سارے حمام بندکردیئے۔۱۶۱۰ء میں تمام مسلمانوں کوترک ملک کاحکم مل گیا۔ڈیڑھ لاکھ عربوں کاایک قافلہ بندرگارہ کی طرف جارہاتھاکہ بلیڈانامی ایک پادری نے غنڈوں کوساتھ ملاکراس قافلے پرحملہ کردیااورایک لاکھ نفوس قتل کرڈالے۔اس کے بعدمسلمانوں پرگھروں، گلیوں اوربازاروں میں قاتلانہ حملے شروع ہوگئے اور ۱۶۳۰ء میں ایک بھی مسلمان سپین میں باقی نہ رہا۔

اس ہجرت کااثر یہ ہواکہ وہ اندلس جوسارے یورپ کوعلم وتہذیب کادرس دے رہاتھا، دفعتہً جہالت میں ڈوب گیا۔مدارس بند ہوگئے۔ اساتذہ بھاگ گئے۔صنعت وحرفت ختم ہوگئی اورشہراجڑ گئے۔اسلامی عہدمیں طلیطلہ (ٹولیڈر) کی آبادی دولاکھ تھی اورآج صرف بیس ہزار ہے۔ غرناطہ کی آبادی بیس لاکھ تھی اب پچاس ہزار ہے(یورپ پراسلام کے احسان)

**سسلی میں مسلمانوں پرمظالم:** ’’مسلمان ۲۶۴ برس تک سسلی پرحکمران رہے۔اس عرصے میں انھوں نے عیسائی رعایا سے بہترین سلوک کیا۔ایس پی سکاٹ لکھتا ہے’’سسلی کے عیسائی مذہبی وقومی تعصب کے باوجودمسلمانوں کی عادلانہ حکومت کواچھی نظرسے دیکھتے تھے۔خصوصاً قسطنطنیہ کے حریص وجابرحکومت کے مقابلے میں۔۔۔۔۔جب بازنطینی رعایااپنی حالت کاموازنہ عیسائی رعایاسے کرتے توان پررشک کرتے‘‘ لیکن جب عیسائیوں کی باری آئی توراجراول نے تبلیغ اسلام کوحکماً روک دیااورپھر یہ قدم اٹھائے۔

۱۔ تمام مسلمانوں کوملازمتوں سے نکال دیا

۲۔ ان سے زمینیں اوردکانیں چھین کرعیسائیوں میں بانٹ دیں

۳۔ مسلم امراسے دولت چھین لی

۴۔ عیسائی غنڈوں کواکسایاکہ وہ مسلمانوں کے گھرجلائیں اوران پرقاتلانہ حملے کریں

۵۔ حضورپرنورﷺ کوہرجگہ اورہرمحفل میں گالیاں بکیں

۶۔ اذان اورنمازجمعہ بندکردی

۷۔ فریڈرک دوم (۱۲۱۲ء۔۱۲۵۰ء)نے اندازاًاسی ہزارمسلمان سسلی سے نکال کراٹلی کے جنوب میں جابسائے۔جنھیں چارلس دوم (۱۲۸۵ء) نے جبراًعیسائی بنالیا۔

ذراخیال فرمائیے عیسائیوں کی احسان فراموشی کاکہ جس آقاومولاحضوراحمد مجتبیٰ علیہ التحیۃ والثناء نے جناب سیدناعیسیٰ علیہ السلام کی عزت بچائی،ان کی نبوت ورسالت کی تصدیق فرمائی،ان کی والدہ محترمہ سیدہ حضرت مریم علیہاالسلام کی طہارت وعظمتِ کردار کے خلاف یہودیوں کے

پھیلائے ہوئے شکوک وشبہات کا قلع قمع کیا، اسی سراپا رحمت ورافت وشفقت آقا ﷺ کو گالیاں بکتے ہیں۔ ورنہ بدلگام یہودی تو حضرت عیسیٰ مسیح علیہ السلام کو وہی کچھ کہتے تھے اور (اب بھی کہتے ہیں) جو نا معلوم باپ کے بیٹے (معاذ اللہ) کو کہا جاتا ہے۔ عیسائیوں کے پاس مقدس ماں کے مقدس بیٹے پر لگائے جانے والے ان اعتراضات کا کوئی جواب نہیں تھا مگر ان کی بدبختی دیکھئے وہی یہودی جو ان کے نبی کو بدترین گالیاں دیتے رہے اور صدیوں ان کے ساتھ قتل وغارت کا سلسلہ رہا، اب وہی ان کی ناک کے بال اور یہ انھیں کی ناز برداری کرتے ہیں اور جس امت مسلمہ نے اپنے سچے، پاک اور پاک کرنے والے نبی ورسول ﷺ کے ارشادات کی روشنی میں حضرت مسیح علیہ السلام کے گن گائے، ظالم انھیں کے مٹانے کے در پے ہیں۔ یہ ان کی جہالت وسفاہت ہی نہیں، بے غیرتی بھی ہے۔ حقیقت میں ان کا حضرت عیسیٰ مسیح علیہ السلام سے قطعاً کوئی تعلق نہیں، محض اپنی فطری شیطنت کی بنا پر اسلام سے ضد رکھتے ہیں اور کسی قیمت پر بھی انھیں مسلمانوں کا وجود برداشت نہیں۔ اگر یہ سچے دل سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے عقیدت ومحبت سے سرشار ہوتے تو ان کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے سب سے پہلے دائرہ اسلام میں داخل ہوتے۔ کیونکہ انجیل میں اور پھر عیسیٰ علیہ السلام کے خطبات وارشادات میں بار بار حضور پرنور ﷺ کی عظمت شان کا ذکر آتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ جل مجدہ کی اتاری ہوئی انجیل اب صفحۂ ہستی سے ناپید ہے اور جو انجیل موجود ہیں ان کی زبان ہی اصل انجیل سے مختلف نہیں بلکہ تعلیمات میں بھی بہت زیادہ فرق ہے۔ پھر بھی خدا کی قدرت متعصب پادریوں کی پوری انحرافی وتحریفی کوششوں کے باوجود اس میں بھی بہت سے اشارے مل جاتے ہیں جو حضور پرنور ﷺ کی عظمت شان پر دال ہیں اور اگر ان کی تعمیل ارشاد میں انھیں جو اس محبوب اعظم ﷺ کا حلقہ بگوش قطعاً گوارا نہیں تھا تو بھی ان کی بے ادبی نہ کرتے اور عیسیٰ علیہ السلام کے بدگویوں کو گلے نہ لگاتے مگر انھوں محبت وغیرت کے تمام تقاضوں کو بالائے طاق رکھ کر اپنے نبی علیہ السلام کے مداحوں سے دشمنی رکھی اور دشمنوں سے محبت۔ واقعی انھیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کوئی دلی لگاؤ نہیں۔ چنانچہ انگلستان کے نومسلم ڈاکٹر محمد ہارون مرحوم جو انگریز عیسائی میں پیدا ہوئے تھے، وضاحت سے لکھا ہے کہ دور حاضر کے بہت سے عیسائی مذہب سے بے نیاز اور عیسیٰ علیہ السلام کے گستاخ ہیں۔ بہر حال یہی سسلی تھا جہاں تمام مسلمانوں کو تہہ تیغ اور تہذیب اسلام کو تباہ وبرباد کر دیا گیا۔

ہاں ہاں یہی سسلی (یا صقلیہ) ہے جس کا دردناک مرثیہ حضرت اقبال نے لکھا۔ اس کے چند ابتدائی اشعار آپ بھی دیکھ لیں۔

رولے اب دل کھول کر اے دیدۂ خونابہ بار ۔۔۔ وہ نظر آتا ہے تہذیب حجازی کا مزار

تھا یہاں ہنگامہ ان صحرا نشینوں کا کبھی!! ۔۔۔ بحر بازی گاہ تھا جن کے سفینوں کا کبھی

زلزلے جن سے شہنشاہوں کے درباروں میں تھے ۔۔۔ بجلیوں کے آشیانے جن کی تلواروں میں تھے

اک جہاں تازہ کا پیغام تھا جن کا ظہور!! ۔۔۔ کھا گئی عصر کہن کو جن کی تیغ ناصبور

مردہ عالم زندہ جن کی شورش قم سے ہوا ۔۔۔ آدمی آزاد زنجیر تو ہم سے ہوا!

غلغلوں سے جس کے لذت گیر اب تک گوش ہے ۔۔۔ کیا وہ تکبیر اب ہمیشہ کے لئے خاموش ہے

حضرت حکیم الامت علیہ الرحمۃ نے ان اشعار میں فرزندان اسلام کے احسانات کا اور پھر عیسائیوں کی محسن کشی کا ذکر جس دردناک انداز میں کیا ہے، اس پر غور فرمائیے۔ غرض یہ دنیا رحم وکرم سے نا آشنا تھی اور جس کا بس چلتا تھا اور جس پر چلتا تھا، اس کا امن وسکون لوٹ لیتا تھا۔ یہاں میں عورتوں، غلاموں اور کسانوں اور قیدیوں پر ڈھائے جانے والے عالمگیر مظالم کا ذکر نہیں کر رہا، ان کا ذکر تو کہیں آگے چل کر ہوگا، یہاں صرف فکری ومذہبی اختلاف کی بنا پر انسان نما درندوں کی ستمگری ووحشت وبربریت بیان کرنا مقصود ہے۔ جس شخص میں بھی کچھ نہ کچھ انسانیت ہو، اپنے

رہنما اور استاد کو محسن سمجھتا ہے اور اس کے سامنے دم نہیں مارتا۔ مگر مذکورہ حالات وکوائف پر غور کیجئے ،مسلمانوں نے دوسری قوموں کو تہذیب وتمدن سکھایا، انھیں علم وفضل سے آراستہ کیا، انھیں فضائل ومحاسن اخلاق سے روشناس کیا، ان پر فطرت کے اسرار کھولے اور انھیں وہم وگمان سے آزاد کرنے کی کوشش کی مگر ان کی باری آئی تو انھوں نے کسی احسان کی قدر نہیں بلکہ جس حد تک وہ ظلم وستم کر سکتے تھے، کرتے رہے، یوں لگتا ہے جیسے ان کی فطرت اس حد تک مسخ ہو چکی تھی کہ انسانیت کا کوئی نور ان کے فکر ونظر کی رات کو صبح کے اجالوں میں تبدیل نہیں کرسکتا تھا۔ پھر ان کے یہ مظالم مسلمانوں تک محدود نہیں تھے بلکہ ان کے اپنے ہم مذہب بھی ذرا ذرا سے اختلاف پر گردن زدنی قرار دیئے جاتے اور صلیب کی نذر ہوتے یا زندہ جلا دیئے جاتے مثلاً

''مارٹن لوتھر (عیسائی) نے جب ایک پادری کے 'پروانہ 'جنت' بیچنے پر اسے مباحثے کی دعوت دی تو اس نے جواب کی ہمت نہ پا کر اسے کافر وملحد قرار دیا اور اس کی جان کے درپے ہو گیا۔ تاہم عوام (عیسائی) اس کی سیدھی سادی انقلابی تعلیم سے متاثر ہو کر جوق در جوق اس کے حلقہ ارادت میں داخل ہوتے گئے۔ چنانچہ پوپ نے حکومت فرانس کو گانٹھا اور ۲۴ اگست ۱۵۷۲ء کو فرانس میں پچاس ہزار پروان لوتھر قتل کر دئے گئے۔ (یورپ پر اسلام کے احسان)

''وہ مسائل جن پر صدیوں تک عیسائی فرقوں میں خونریزی جاری رہی، یہ تھے

۱۔ کیا مسیح ایک جسم اور ایک روح والا تھا

۲۔ کیا مسیح ایک جسم اور دو روح والا تھا

۳۔ اگر وہ ایک جسم اور ایک روح والا ہی تھا' تب اس کے جسم میں انسانی روح تھی یا الوہیت کی روح

۴۔ اگر اس کے اندر انسانی روح تھی، تب اس کی الوہیت کی ابتدا کس طرح سے اور کب سے ہوئی

۵۔ اگر مسیح ایک جسم اور دو روح (انسانی اور الوہی) والا تھا، تب کونسی روح غالب تھی

۶۔ کیا کبھی روح الوہیت روح انسانی پر اور کبھی روح انسانی روح الوہیت پر غالب بھی آجایا کرتی تھی

۷۔ مسیح کا صلیب پر چڑھنا مع روح الوہیت تھا یا بلا روح الوہیت تھا

۸۔ اگر مصلوبی کے وقت روح الوہیت شامل نہ تھی تو روح انسانی کیوں کر گنہگاروں کے گناہوں کی برداشت کی متحمل ہوئی

۹۔ اگر روح الوہیت شامل تھی تو کیا الوہیت بھی مصلوب ہوئی

الغرض ایسی ایسی موشگافیوں نے مسیح کی صاف اور سچی تعلیم کو ایک عجیب گورکھ دھندا بنا دیا تھا۔ نئی نئی بدعات کے ساتھ سے نئے نئے فرقے بنتے تھے اور ایک دوسرے کا گلا کاٹنا اپنے نزدیک مسیح کی خوشنودی کا موجب سمجھتے تھے۔

اس خونریزی کو دنیا کے بہت بڑے رقبہ پر صرف اسلامی قبضہ ہی نہیں بند کیا'' (رحمتہ للعلمین ج ۳)

اسلام نے عیسائیوں کے باہمی مظالم ہی نہیں روکے بلکہ ان کے یہودیوں پر اور یہودیوں کے ان پر جو مظالم ایک عرصے سے جاری تھے، وہ بھی ختم کر دیئے۔ اسلام نے دوسرے کفار کے مقابلے میں ان کی عزت افزائی فرمائی اگر چہ یہ بھی توحید سے محروم ہو گئے تھے، تاہم انبیاء کرام علیہم السلام کی نسبت سے انھیں اہل کتاب فرمایا اور دوسروں پر انھیں نمایاں ترجیح دی۔ مگر انھیں جب بھی موقع ملا، انھوں نے کسی قسم کی شکرگزاری کے احساس کے اظہار کی بجائے دوسرے مشرکین کے ساتھ اسلام کو گزند پہنچانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی غزوہ خندق کی بنیاد انھیں یہودیوں نے رکھی مکہ معظمہ میں جا کر قریش کو مسلمانوں پر آخری فیصلہ کن حملہ کرنے پر ابھارا۔ انھوں نے ان سے پوچھا کہ بت پرستی قریش اور امت مسلمہ میں سے کون سا گروہ حق پر ہے، تو سب کچھ جانتے بوجھتے انھوں نے بت پرستوں کو اہل توحید سے بہتر بتایا اور پھر بے غیرتی کی انتہا کہ انھوں نے اپنے بتوں کو سجدہ کرنے کے

لئے کہا تو ظالموں نے اس سے بھی دریغ نہ کیا۔

اسلام دشمنی گویا ان کی گھٹی میں پڑی ہوئی ہے۔ یہودیوں کے ظلم و ستم کی ابتدا تو اپنے سینکڑوں انبیاء بنی اسرائیل علیہم السلام کے قتل ناحق سے ہو چکی تھی۔ یہ خودسر تھے اور ہوائے نفس کے مقابلے میں واضح ہدایات ربانی اور دوٹوک تعلیمات نبوی کی پروا نہیں کرتے تھے۔ انھیں دل و جان سے یقینی طور پر معلوم تھا کہ حضور پرنور ﷺ اللہ جل جلالہ کے آخری نبی و رسول ہیں، مگر پھر بھی انھیں ایمان لانا گوارا نہیں تھا۔ یہی حال عیسائیوں کا تھا اور ہے۔ آپس میں ان کے ہزار اختلاف ہوں، مسلمانوں کے مقابلے میں یہ دونوں گروہ خود ہی نہیں، دوسرے مشرکین اور ملحدین کو بھی ساتھ ملا کر پوری قوت سے 'نور خدا' کو پھونکیں مارتے ہیں اگرچہ اللہ جل مجدہ آخر کار ان کے عزائم کو خاک میں ملا دیتا ہے

دور کیا جایئے جنگ آزادی کے نتیجے میں انھوں نے مسلمانوں پر جو جو ظلم کیے، ان کی تفصیل رونگٹے کھڑے کر دیتی ہے۔ مسلمانوں نے اپنے دور حکومت میں انھیں تجارت کی اجازت ہی نہیں دی۔ بڑی بڑی آسائشوں اور رعایتوں سے نوازا۔ مگر انھوں نے انھیں کے خلاف سازشوں کے جال بچھا بچھا کر اور نوابوں اور راجاؤں کو باہم لڑا لڑا کر آخر کار پورے برصغیر پر قبضہ کیا۔ پھر اس کے ساتھ ساتھ ہی انھوں نے عیسائیت کے پرچار میں مسلمانوں اور ہندوؤں کو ان کے مذہب سے باغی بنانا چاہا اور مقامی فوجیوں کو ان کے اپنے مذاہب کی تعلیم کے خلاف حلال و حرام کی تمیز اٹھوانا چاہی تو تحریک آزادی شروع ہوئی اور پھیل گئی۔ انھوں نے غداروں اور جاسوسوں کے ذریعے فتح حاصل کی تو ظلم و بربریت کے جو ریکارڈ توڑے، وہ انھیں کا حصہ ہے۔ مقامی باسیوں کا کیا قصور تھا؟ صرف یہ کہ اپنے دیس کو آزاد کرانا چاہتے تھے اور اپنے اپنے مذہب کے مطابق زندگی بسر کرنا چاہتے تھے، انگریزوں نے جو کچھ کیا، اسی جرم کی سزا میں انسانیت کی تمام حدود کو پھلانگ کر سکندر، ہلاکو اور چنگیز خاں سے بھی آگے نکل گئے۔ (یہاں اس تفصیل کی گنجائش نہیں ورنہ آپ دیکھتے کہ صرف ان کی شکلیں انسانوں سے ملتی ہیں، اندر سے یہ کوئی اور مخلوق ہیں)

**موجودہ حالات** ہی کو دیکھ لیجئے۔ پاکستان کی تحریک چل رہی تھی تو انگریزوں کی ہمدردیاں گاندھی اینڈ کمپنی کے ساتھ تھیں۔ پھر مسلمانوں میں بیداری کی لہر دوڑ گئی، خود ہندوؤں نے ہتھیار ڈال دیئے اور حضرت قائداعظم علیہ الرحمہ کی قیادت میں ان کا مطالبہ ماننا ناگزیر ہو گیا تو یہاں کا وائسرائے مسئلہ کشمیر کھڑا کر گیا (جو آج تک حل نہیں ہو سکا) بلکہ ریڈکلف وغیرہ ظالموں نے گورداسپور کا ضلع انصاف و دیانت کے تقاضوں کا خون کرتے ہوئے بھارت کو دے دیا۔ قیام پاکستان کے بعد ہمارے حکمرانوں نے روس پر امریکہ کو ترجیح دی کہ ایسی کمونسٹ ہے اور یہ اہل کتاب مگر ان کی ظالمانہ و مکارانہ سازشیں ہمارے ہی خلاف بڑا روز افزوں رہیں۔ بلکہ پاکستان کے ذریعے جب روس کے دانت کھٹے کر دیئے گئے تو بالکل شیطان کی آواز میں انھوں نے کمیونزم کو اپنے لئے سب سے بڑا فتنہ قرار دیا۔ ابھی ابھی پرسوں یعنی جمعۃ المبارک مورخہ ۱۸ نومبر ۲۰۰۵ء کے نوائے وقت میں امریکی ناظم الامور کی خرافات کا عنوان یوں شائع ہوا ہے "بھارت کے ساتھ مل کر کسی تیسرے ملک میں مشترکہ فوجی اپریشن کر سکتے ہیں،' ہاں ہاں شیطان نے بھی یہی کہا تھا۔

کب ڈرا سکتے ہیں مجھ کو اشتراکی کوچہ گرد
یہ پریشان روزگار ، آشفتہ مغز ،آشفتہ مو
ہے اگر مجھ کو خطر کوئی تو اس امت سے ہے
جس کی خاکستر میں ہے اب تک شرار آرزو
خال خال اس قوم میں اب تک نظر آتے ہیں وہ
کرتے ہیں اشک سحر گاہی سے جو ظالم وضو
جانتا ہے جس پہ روشن باطن ایام ہے
مزدکیت فتنہ فرد انہیں ، اسلام ہے

انصاف سے بتایئے کیا بش اور اس کے ہمنواؤں کا یہی طرز فکر نہیں اور کیا اس میں کوئی شک ہے کہ یہ ساری پارٹی دراصل شیطان ہی کی ذریت ہے۔ قیام پاکستان کے بعد ہم نے یہاں کی اقلیتوں کو مکمل آزادی دی اور کسی ایک فرد کو بھی ہندو، سکھ، یہودی یا عیسائی ہونے کی بنا پر موت

کے گھاٹ نہیں اتار امگر اسی وطن عزیز میں جو اسلامی و قرآنی ہدایات کے مطابق غیر مسلموں کے ساتھ کسی قسم کی زیادتی برداشت نہیں کرتا، سندھ کے بعض ہندوٴ کیا کیا سازشیں نہیں کرتے، اور عیسائی بار ہا بارگاہ رسالت علی صاحبہا الصلوۃ والسلام میں گستاخی کے مرتکب ہوئے ہیں اور بار ہا قرآن پاک کی بے ادبی و بے حرمتی کے مرتکب ہوئے ہیں۔ اس کے برعکس ایک بار بھی یہاں کسی مسلمان کو سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں گستاخی کی جرأت نہیں ہوئی (کہ ہمارے نبی کریم ﷺ کے ارشاد کی روشنی میں یہ کفر، اور کسی کو بھی وہ انجیل جوان کی خود ساختہ ہے، کی توہین کا خیال نہیں ہے۔ یہ ہے ہمارے ملک میں ہمارا رویہ ان کے مذہب کے بارے میں اور یہ ہے ان کا رویہ ہمارے مذہب کے خلاف پھر سوچو جوان اپنے ملک میں وہاں مسلمانوں کی دلآزاری کس کس انداز میں نہیں کی جاتی ہوگی۔ امریکہ میں کیا ہوتا ہے، ہالینڈ میں ابھی گذشتہ دنوں کیا ہوا اور فرانس میں کیا ہوا ہے۔ یہ گویا اسلامی ممالک خصوصاً پاکستان کے لئے لائحہ عمل ہے

اسی بش نے انسانی حقوق کا نعرہ لگایا اور اسی نے اس دور میں سب سے زیادہ انہیں پامال کیا۔ ایک طرف وہ عیسیٰ علیہ السلام کو گالیاں دینے والے یہودیوں کا سرپرست ہی نہیں بلکہ ہندوٴ بے دام بنا ہوا ہے اور دوسری طرف ہندووٴں اور کمیونسٹوں کا یار ہے کیوں؟ محض اسلام کو معاذ اللہ صفحہ ہستی سے مٹانے کیلئے، مگر کیا ایسا ممکن ہے۔ ہم اپنے سچے اللہ رب العلمین پر توکل کرتے ہوئے حضور رحمۃ للعلمین علیہ الصلوۃ والسلام کے بھروسے پر یہ اعلان کئے دیتے ہیں کہ دشمنوں کا یہ شیطانی خواب کبھی شرمندہ تعبیر نہیں ہوگا۔ ہرگز نہیں ہوگا۔ اگر چہ ان شیطانوں نے کئی مسلمان حکمرانوں کو بھی اپنا آلۂ کار بنا رکھا ہے، پھر بھی اسلام کا محافظ قادر مطلق ہے اور اس کے فضل سے خصوصی طور پر یہ صدی اسلام کی ترقی کی صدی ہے۔ چند موجودہ منصوبوں کے طوفانوں اور سازشوں کی گھٹاوٴں کے باوجود مطلع جلد صاف ہونے والا ہے، دین حق کا روشن آفتاب عرصہ ہستی کو عنقریب چمکانے والا ہے۔ الحمدللہ امریکہ اور یورپ اپنی پوری ناپاک مساعی کے باوجود دم دبا کے بھاگنے والے ہیں۔ زمانہ آواز دے رہا ہے اور مسلمان کو جھنجھوڑ رہا ہے کہ

احسان کا ہنڈا ہاتھ میں لے — ایمان کا جھنڈا ہاتھ میں لے
اسلام کا ڈنڈا ہاتھ میں لے — پھر ساری یہ دنیا تیری ہے
ہنڈے کو حریم جاں میں جلا — جھنڈے کو کلیساوٴں میں اڑا
ڈنڈے کو بتوں کے سر پر گھما — پھر ساری یہ دنیا تیری ہے
پڑتا ہو جہاں گھمسان کا رن — باندھے ہوئے چل شمشیر و کفن
کہ زندہ عرب کی رسم کہن — پھر ساری یہ دنیا تیری ہے
ڈرنا ہے تو ایک اللہ سے ڈر — مرنا ہے تو اس کی راہ میں مر
اس نکتے کو رکھ لے پیش نظر — پھر ساری یہ دنیا تیری ہے
غیروں میں نہ مل اپنوں سے نہ کٹ — ان کو نہ بڑھا اور آپ نہ گھٹ
فرقوں میں نہ بٹ، مرکز سے نہ ہٹ — پھر ساری یہ دنیا تیری ہے
مت بھول کفن بردوش ہے تو — بطحا کے جنوں کا جوش ہے تو
اس جوش میں گر مدہوش ہے تو — پھر ساری یہ دنیا تیری ہے

(آئندہ قسط میں انشاءاللہ یہ بتایا جائے گا کہ مسلمان کی فطرت میں رحم کیوں ہے اور اسلام نے 'رحم' کی اہمیت کس کس انداز میں بیان فرمائی ہے)

☆......☆......☆

# اتحاد ملت کی ضرورت

## قسط: 34

پروفیسر محمد حسین آسی

آپ نے گذشتہ قسط میں اہل حدیث حضرات کے ایک محقق جناب حکیم صادق صاحب کی 'صداقت' کے جلوے دیکھے۔ میں نے بار بار عرض کیا تھا، یہ حکیم موصوف کی صرف ایک کتاب 'صلوٰۃ الرسول' پر محض سرسری نظر سے انکشافات ہوئے ہیں۔ اگر بنظر غور دیکھا جائے تو اور بہت کچھ مل سکتا ہے۔ خدا کو منظور ہوا تو کسی اگلی فرصت میں کچھ مزید تفصیل سے ان کی دوسری کتابوں پر بھی تبصرہ کیا جائے گا۔ اب یہاں خیال ہے کہ جناب 'مولانا' ابوالکلام آزاد جنہیں گاندھی کے نیاز مند علمائے دیوبند اور زعمائے اہل حدیث 'امام الہند' کہتے ہیں کا ذکر 'بے خیر' کیا جائے۔ حکیم صاحب 'امام سیالکوٹ' ہونے کے ناتے اگر اتنے 'بیباک' ہیں تو جو امام الہند ہے اور 'آزاد' ہے اس کی بیباکیوں اور آزادیوں کا کیا حال ہوگا۔ حقیقت یہ ہے کہ باغیان رسول کے اس قبیلے میں جو جتنا جھوٹ بولے، مسلمانوں کو جتنا زیادہ دھوکا دے، اسلام دشمنوں کے ہاتھ ضمیر و ایمان کا سودا کرے اور ملت اسلامیہ کو نقصان پہنچا سکے، وہ اتنا ہی 'بڑا امام' سمجھا جاتا ہے۔ لہذا 'امام الہند' کا لقب ان کے رواج کے مطابق اسی کو زیب دیتا ہے جو برعظیم کے تمام جھوٹوں سے زیادہ جھوٹا، سب منافقوں سے زیادہ منافق اور دین حق کے سب دشمنوں سے زیادہ دشمن ہو۔ شاید 'ابوالکلام' کی کنیت سے بھی اس طرف اشارہ مقصود ہے کہ اس کے ہاں کلام ہی کلام ہے، حقیقت ذرہ بھر نہیں اور پھر 'آزاد' اس لیے کہ وہ مادر پدر آزادی سے شروع ہو کر دین و مذہب سے آزادی یعنی بیزاری تک پہنچ گیا۔ نتیجتاً ہر وہ کام جس سے ملت اسلامیہ کو زیادہ سے زیادہ نقصان اور اس کے دشمنوں کو بڑے سے بڑا فائدہ پہنچ سکتا تھا، اس کا محبوب مشغلہ بن گیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ گاندھی اس دور میں اسلام کا مکار ترین دشمن تھا اور مسلمانوں کا کسی محاذ پر کامیاب ہونا اسے کسی صورت بھی گوارا نہیں تھا اور یہ مکہ معظمہ میں پیدا ہونے والا نابکار یوں تو اوائل ہی سے 'آزاد' تھا مگر 'گاندھی' کے چرنوں میں بیٹھ کر مکمل طور پر 'فنا فی الغاندی' (گاندھی) ہو گیا بلکہ چیلہ اپنے گرو سے بھی آگے نکل گیا۔ میں کبھی اس بات پر غور کرتا ہوں کہ اقبال، جناح اور ان سے پہلے اکبر الہ آبادی جیسے بلند نظر ہی نہیں، بہت سے دوسرے سیاسی لیڈر بھی گاندھی کے مکر و فریب کو سمجھتے تھے جب کہ نجد و دیوبند کے بڑے بڑے شیخ القرآن، شیخ الحدیث، شیخ الاسلام، شیخ الہند بھی اس کے حلقۂ 'ارادت و عقیدت' میں اس طرح شامل ہو گئے، جیسے مرید صادق اپنے شیخ کامل کے سامنے سراپا تسلیم و رضا بن جاتا ہے۔ آپ نے سنا ہوگا، اہلِ طریقت کا مشہور قول ہے **المرید لا یرید** یعنی مرید کا اپنا ارادہ نہیں ہوتا، وہ تو اپنے شیخ کے اشارۂ ابرو پر چلتا ہے اور وہی کچھ کرتا ہے جو اس کا پیر فرماتا ہے۔ نجد و دیوبند کا جنابِ گاندھی کے ساتھ یہی مریدانہ و غلامانہ تعلق تھا۔ انہیں واللہ اللہ تعالیٰ کے خوف اور اس کے رسول مقبول ﷺ کی شرم سے کوئی دلچسپی نہیں تھی، اپنے گاندھی کے حکم کے سامنے انہیں کسی کی پرواہ نہیں تھی۔ اللہ جل مجدہ فرماتا ہے

**الیس اللہ باحکم الحکمین ○** (التین ـ ۸)

ترجمہ: کیا اللہ سب حاکموں سے بڑھ کر حاکم نہیں۔

مگر قولاً اس کے قائل ہونے کے باوجود عملاً ان کے نزدیک گاندھی معاذ اللہ سب سے بڑا حاکم تھا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

**ان الحکم الا للہ** ط (یوسف:۴۰)

ترجمہ: حکم نہیں مگر اللہ کا

ان کے نزدیک اس منصب الوہیت پر (معاذ اللہ) گاندھی فائز تھا۔

اللہ اپنے حبیب مکرم ﷺ کو مخاطب کر کے فرماتا ہے

**فلا وربک لا یومنون حتی یحکموک فیما شجر بینھم ثم لا یجدوا فی انفسھم حرجا مما قضیت ویسلموا تسلیماً ○** (النساء:۶۵)

ترجمہ: تو اے محبوب تمہارے رب کی قسم وہ مسلمان نہ ہوں گے جب تک اپنے آپس کے جھگڑے میں تمہیں حاکم نہ بنائیں، پھر جو کچھ تم حکم فرماؤ اپنے دلوں میں اس سے رکاوٹ نہ پائیں اور جی سے مان لیں۔

ان کا منشور یہ تھا کہ گاندھی کو اپنے اختلافات میں حاکم و مختار مانیں، اس کے حکم کے خلاف دل میں بھی تنگی محسوس نہ کریں اور اسکے فیصلے کو ایسا مانیں جیسے ماننے کا حق ہے

چنانچہ 'الحقیقہ' کے کسی گذشتہ شمارے میں پاکستان کی نامور علمی و تحقیقی شخصیت جناب ڈاکٹر صفدر محمود صاحب کے مضمون کا اقتباس پڑھ لیا ہوگا جس میں نام نہاد مولانا حسین احمد ٹانڈوی نے اپنا عقیدہ بیان کرتے ہوئے کہا تھا کہ تکوینی امور میں نبی ﷺ کی اطاعت ضروری نہیں ہوتی اور اس خرافات کا پس منظر یہ تھا کہ خود اس کے بقول حضور ﷺ نے اس کے خواب میں تشریف لا کر مسلم لیگ اور پاکستان کی حمایت کا اشارہ فرمایا تھا۔ خیال کیجئے اسے اپنے رسولِ مختار ﷺ کا حکم نہیں ماننا تھا تو خواب کیوں سنایا، پھر خواب ہی سنایا تھا تو بعض منچلے وہابیوں کی طرح کہہ سکتا تھا 'خواب کا کیا اعتبار' جس طرح گذشتہ قسط میں ایک وہابی مفتی کا فتویٰ مذکور ہوا تھا۔ ٹانڈوی نے اقرار کیا کہ حضور پر نور ﷺ کا حکم یوں ہے اور پھر اس کی تعمیل کو غیر ضروری سمجھا۔ حالانکہ اطاعت رسول ﷺ کی بے شمار بار تاکید خود قرآن پاک میں وارد ہے بلکہ یہاں تک تصریح فرمادی گئی کہ

**من یطع الرسول فقد اطاع اللہ** ج (النساء:۸۰)

ترجمہ: جس نے رسول کا حکم مانا، بیشک اس نے اللہ کا حکم مانا

اسی اطاعت رسول کو عقیدہ رسالت پر ایمان لانے کا ضروری تقاضا قرار دے کر وضاحت فرمادی کہ رسول کو رسول ماننے کا مطلب ہی یہ ہے کہ وہ خدا کے بعد احکم الحاکمین ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے

**وما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن اللہ** ط (النساء:۶۴)

ترجمہ: اور ہم نے کوئی رسول نہ بھیجا مگر اس لئے کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے۔

ہم نے جان بوجھ کر احادیث شریفہ کو یہاں درج نہیں کیا، کیونکہ جو شخص قرآنی تصریحات کا باغی ہے، اس سے احادیث مبارکہ پر ایمان و عمل کی کیونکر توقع کی جاسکتی ہے۔ ان بدنصیبوں نے کلمہ محبوب خدا علیہ التحیۃ والثناء کا پڑھا اور حاکم و مختار گاندھی جیسے مشرک و نجس کو مانا۔ زبان سے نبی آخر الزماں ﷺ کی رسالت کا اقرار اور دل سے گاندھی جیسے مکار اور اسلام دشمن کی محبت و عقیدت میں گرفتار رہے۔ سچ فرمایا تھا ہمارے ایک یار نے

کیا دیکھ سکے آئنۂ روئے محمد ﷺ

دیو بند کے دلبند کا دل بند، زباں بند

یہ شعر بھی قارئین کی نذر کیا ہے۔

نجد یا سخت ہی گندی ہے طبیعت تیری
کفر کیا شرک کا فضلہ ہے حقیقت تیری

میرے دوستو! ٹھنڈے دل سے غور کیجئے، ملت اسلامیہ کیلئے یہ زیادہ خطرناک ہیں یا کھلے کفار۔ حقیقت یہ ہے کہ ملت اسلامیہ کو نقصان پہنچانے کا اتنا کام گاندھی کی دھوتی نے نہیں کیا، جتنا ان کے جبہ و دستار نے کیا۔ اگر ان کا وجود نا مسعود نہ ہوتا تو گاندھی کی آندھی سے ملت اسلامیہ کا چمن بہت حد تک محفوظ رہتا۔ مگر نفاق کے ان آتشیں بگولوں نے امت مسلمہ میں انتشار کی آگ لگا دی اور دیکھتے ہی دیکھتے اتحاد و اتفاق کے گل بوٹے بھسم ہو کے رہ گئے۔ ذرا دیکھو قسمت کے ان ہیٹوں کو کہ رحمۃ للعلمین ﷺ کے آستان عظمت سے منہ موڑا اور گاندھی کے آستان ذلت و نجاست پر جبین نیاز رکھ کر اسی کو اپنی امید و آرزو کا قبلہ بنا لیا۔ اکبر الہٰ آبادی مرحوم نے مسلمانوں کی تاریخ یوں بیان کی ہے۔

جو دیکھی ہسٹری اپنی تو بیشک یہ یقیں آیا
جسے مرنا نہیں آیا اسے جینا نہیں آیا

اور میں اسلام کے ان داخلی دشمنوں کی تاریخ یوں بیان کرتا ہوں

جو دیکھی ہسٹری ان کی تو بیشک یہ یقیں آیا
جسے بکنا نہیں آیا' اسے بکنا نہیں آیا

ان کا کوئی عقیدہ بھی اپنا عقیدہ نہیں ہوتا، بلکہ ان کے ایمان و ضمیر کو نیلام میں خریدنے والے انگریز ہوں یا ہندو انھیں خرید کر پیچھے سے جو ہدایت دیتے ہیں، وہی ان کا عقیدہ بن جاتا ہے۔ ہاں یہ الگ بات ہے کہ خدا کے دشمنوں سے جب کوئی 'عقیدہ' سیکھ لیتے ہیں، تو پھر اسے زور لگا کر قرآن و حدیث پر منطبق کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ چنانچہ محمد بن عبدالوہاب نے جو عقائد ایجاد کئے، یہ ایجاد بندہ نہیں تھے یعنی اس کی اپنی تحقیقات کا نتیجہ نہیں تھے بلکہ ہمفرے کے بقول انگلستان سے 'نازل' ہوئے تھے، اور اسماعیل دہلوی نے جو 'تقویت الایمان' میں داد 'تحقیق' دی ہے وہ بھی انگریزی ہدایات و مفادات پر مبنی محمد بن عبدالوہاب کی کتاب التوحید ہی کا ترجمہ ہے۔ اسی طرح کی ایک روایت کے مطابق ابوالکلام آزاد نے سورہ فاتحہ کی تفسیر ترجمان القرآن لکھی تو اس کی آیات کے مفہوم کو اپنے 'شیطانی' علم کے مطابق بڑی شرح و بسط سے بیان کیا۔ وہ اسلام کا نہیں' وحدت ادیان کا قائل تھا، اس لئے اپنے 'دین وایمان' کو تفصیل سے پیش کیا مگر جب آیۂ کریمہ **ایاک نعبدو ایاک نستعین 0** کی تفسیر کی باری آئی تو گاندھی نے اشارہ 'فرمایا' یہ آیت تیرے سارے فلسفے کی نفی کر دے گی۔ چنانچہ اپنے 'باپو' کی ہدایت کے مطابق اس آیت کی تفسیر نہایت ہی اختصار سے کر کے اس سے جان چھڑانے کی کوشش کی ہے۔ سچ فرمایا حضرت حکیم الامت اقبال علیہ الرحمہ نے

باپ کا علم نہ بیٹے کو اگر ازبر ہو
پھر پسر قابل میراث پدر کیونکر ہو

اے ملت اسلامیہ کے بہی خواہو! اے امت مسلمہ کے خیر خواہو! اے اسلام کے باوفا فرزندو! از راہ کرم سوچو یہ لوگ کتنے خطرناک ہیں اور ان کا فکر و عمل کس قدر گھناؤنا ہے۔ عام حالات میں جب کوئی ان سے اپنے اختلافات کا ذکر کرتا ہے تو سیدھے سادھے لوگ یہ سمجھ بیٹھتے ہیں کہ یہ فرقہ وارانہ انتشار کی بات ہے اور ایسی گفتگو سے جو آپس میں انتشار کا باعث ہو، نہیں کرنی چاہئے۔ افسوس انھیں حالات کا صحیح جائزہ نہیں اور سادگی

سے دشمنوں کے پروپیگنڈے سے متاثر ہو گئے ہیں، ورنہ جو لوگ غیروں کی ہدایات کے مطابق اور ان کے مفادات کے لئے اصل اسلام اور اسلامی عقائد پر تیشہ زنی کرتے ہیں، انھیں کس معنیٰ میں اسلامی فرقہ کہا جا سکتا ہے۔ لوگ ان کے جبہ و دستار سے دھوکا کھا گئے، انھیں اپنا سمجھا حالانکہ وہ اپنے نہیں رہے تھے۔ اگر ان کا اندر قوم کے سامنے ہوتا، تو وہ دھوکا نہ کھاتی اور نہ اتنا نقصان برداشت کرنا پڑتا۔ فرمایئے اگر جعفر و صادق کی ایمان فروشی کا پتا پہلے چل جاتا تو کیا سراج الدولہ اور سلطان ٹیپو کو پریشان ہونا پڑتا اور مسلمانوں کو نقصان اٹھانا پڑتا۔ جس غدار کو پہلے پہچان لیا جائے، اس سے بچاؤ کی تدبیر تو ہو سکتی ہے مگر جس کی پہچان نہ ہو سکے، وہ داؤ لگانے میں کامیاب ہو ہی جاتا ہے۔ ہاں ہاں اگر یہ درست ہے کہ

جعفر از بنگال وصادق از دکن

ننگ آدم، ننگِ دیں، ننگ وطن

تو فرمایئے جنھوں نے شیخ الحدیثوں اور شیخ الاسلاموں کا منصب سنبھال کر قوم سے غداری کی، وہ ننگ آدم، ننگ دیں، ننگ وطن کیوں نہ ہوتے۔ نہیں، بلکہ ایک فوجی سپہ سالار کی غداری وہ نقصان نہیں پہنچا سکتی جو عالم دین کے لبادے میں آنے والے غدار کی غداری نقصان پہنچا سکتی ہے

تحریک پاکستان کی تاریخ پر غور کیجئے اور کانگریس اور مسلم لیگ کے رہنماؤں کے بیانات و عزائم کا تجزیہ کیجئے۔ کانگریس (انگریز حکمرانوں کی ملی بھگت سے پورے برصغیر پر قبضہ کر کے مسلمانوں کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اپنا غلام ہی نہیں، اپنے انتقام کا اور ظلم و ستم کا نشانہ بنانا چاہتے تھے، اس کے مقابلے میں مسلم لیگ انگریزوں اور ہندوؤں دونوں کی غلامی سے آزاد رہنا چاہتی تھی۔ قائداعظم جس خطہ ارضی کا پاکستان کے نام سے مطالبہ کرتے تھے، اسے قرآن پاک کی تعلیمات سے آراستہ اور اسلام کے انوار سے رخشندہ و تابندہ رکھنے کا پروگرام پیش کرتے تھے مگر گاندھی کو بظاہر بھی کتاب و سنت سے دلچسپی نہیں تھی، بلکہ وہ اسلام کا، قرآن پاک کا اور مسلمانوں کا دشمن تھا۔ وہ کیوں ایسی بات کرتا۔ اسلام کا نام لینے والے، ملت اسلامیہ کو بیدار کرنے والے، راتوں کو مصلے پر رو رو کر دعائیں کرنے والے کو نجد و دیو بند کے سپوت 'معاذ اللہ' کافر اعظم کہتے تھے اور بت پرست گاندھی کو اپنا نجات دہندہ مانتے تھے۔ ظاہر ہے گاندھی انھیں اسلام ہی سے 'نجات' دلا سکتا تھا' انھیں خدا اور رسول ﷺ کا باغی ہی بنا سکتا تھا اور انھیں خرید کر اپنی طرح ملت اسلام کا دشمن ہی بنا سکتا تھا۔ چنانچہ یہی کچھ ہوا، شکل کے اعتبار سے گو اسلام کے علمبردار بنے رہے، مگر فکر و عمل کے اعتبار سے اسلام سے 'نجات' حاصل کر چکے تھے۔ ہاں ہاں سوچو وہ کتنا بدبخت ہے جو مسلمانوں کے گھر میں پیدا ہوا اور اپنی ہی قوم کو مشرکوں اور کافروں کی غلامی میں دھکیلنے پر کمربستہ ہو گیا۔

میں جب ملت اسلامیہ کے سیاسی عروج و زوال پر غور کرتا ہوں تو جہاں اس کے عروج کے اسباب میں اولیاء و اصفیاء کے روحانی تصرفات، علماء حق کی علمی و تبلیغی کاوشوں اور غازیان صف شکن کی مجاہدانہ یلغاروں کو بڑا نمایاں پاتا ہوں تو وہیں اس کے زوال کی وجوہات میں عموماً عیاش حکمرانوں کی بدمستیوں، ظالم امراء و رؤسا کے کرتوتوں اور غدار و بے وفا منافقوں کی سازشوں کو بہت مضر و مہلک دیکھتا ہوں۔ ان غدار و منافق شیطانوں کا تعلق زیادہ تر علمائے سوء سے رہا ہے جو محض ذاتی مفادات کو قومی مفادات پر ترجیح دیتے رہے اور قوم کو دشمنوں کے ہاتھ بیچتے رہے۔ اس دوران بعض اوقات حالات کسی نہ کسی موڑ پر محض تقدیر ربانی سے ایسے واضح بھی ہو جاتے کہ غداروں کو پہچاننا بالکل آسان ہو جاتا مگر پھر بھی سب مسلمان اس سے فائدہ نہ اٹھاتے اور اٹھاتے تو نہایت عارضی قسم کا ہوتا۔ بعض اوقات چوروں کو پکڑنے کے لئے کچھ تفتیش کی ضرورت ہوتی مگر تفتیش کرنے والوں کے ظاہری آلام و مصائب انھیں اس کی مہلت و اجازت ہی نہ دیتے۔ مثلاً مغلیہ سلطنت کے آخری تاجدار یعنی بہادر شاہ ظفر کے زمانے میں انگریز بہت حد تک ملک کے طول و عرض پر قابض ہو چکے تھے، اور بہادر شاہ ظفر کی نام نہاد حکومت لال قلعہ دہلی تک ہی محدود تھی (بلکہ وہ خود انگریزوں کا وظیفہ خوار تھا اور اسے یہ ہدایت مل چکی تھی کہ اس کے بعد اس کے کسی بیٹے کو سلطان یا بادشاہ کہلانے کی اجازت نہیں ہو گی۔) اس وقت تک ان کے خریدے ہوئے علماءِ سُو مسلمانوں میں انتشار پھیلا کر ملت کے اتحاد کو پارہ پارہ کر رہے تھے، نیز عیسائی مشنریاں عیسائیت کی تبلیغ میں

شب و روز سرگرم تھیں اور انگریز حکومت با قاعدہ ان کی سرپرستی کر رہی تھی، ان حالات میں انگریزی حکومت دہلی میں عربی کالج کھولتی ہے تو کیا کتاب وسنت سکھانے کے لئے ایسا کر رہی تھی، نہیں بلکہ مرضی کے مولوی پیدا کر کے ان کے ذریعے مسلمانوں کے دل سے خدا اور رسول (جل جلالہ و ﷺ) کی محبت، ایمان کی غیرت اور جذبہ جہاد نکالنا مقصود تھا۔ غداروں اور منافقوں کا سرگروہ مولوی مملوک العلی نانوتوی اس کالج کا وائس پرنسپل تھا جو ہمہ تن اپنے گورے چٹے آقاؤں کے 'حسن' کا اسیر ہو چکا تھا اور شب و روز انکی رضا حاصل کرنے میں جتا ہوا تھا۔ دیوبندی مکتب فکر کے سب سے بڑے دوستون یعنی مولانا قاسم نانوتوی اور مولانا رشید احمد گنگوہی اسی کے خصوصی تربیت یافتہ شاگرد تھے۔ خیر اس قسم کے بہت سے لوگ یوں تو ایک عرصے سے ملت اسلامیہ کا فرد نظر آنے کے باوجود اس کی جڑیں کاٹ رہے تھے مگر عربی کالج میں اسی مقصد کے لئے با قاعدہ تربیت ہو رہی تھی۔ مولانا اسمٰعیل دہلوی کی کتاب تقویت الایمان جس کی رو سے اس وقت کے جدی پشتی مسلمانوں میں ہر ایک مشرک تھا، انگریزوں نے اسے خود شائع کر کے پورے برصغیر میں مفت تقسیم کر دیا تھا (سوچئے اسلام دشمن انگریزوں کی یہ کتنی بڑی خدمت تھی، یقیناً مسلمانوں میں کتاب وسنت کے حوالے سے انتشار پھیلانے والی ایسی کتاب کوئی انگریز نہیں لکھ سکتا، یہ 'لاجواب' اور 'عظیم' خدمت کا 'شرف' مولوی اسمٰعیل دہلوی نے حاصل کیا اور اس نامراد کے نابکار سید احمد بریلوی کا یہ حال تھا کہ جو امیر نواب اور راجہ انگریزی اقتدار کو خاطر میں نہیں لاتا تھا، اس کی انگریزوں کے ساتھ صلح کرا دیتا تھا۔) اس تقویت الایمان میں حضور پرنور شافع یوم النشور ﷺ کے خصوصی فضائل وکمالات کا انکار کر کے بھائی یا زیادہ سے زیادہ بڑا بھائی منوانے کی کوشش کی گئی اور آپ کی بے ادبی کو معاذ اللہ توحید کے حوالے سے ضروری قرار دیا گیا، گویا تعظیم رسول کو شرک اور توہین رسول کو توحید قرار دے کر ملت اسلامیہ کو بہکانے کی سعی ناپاک کی گئی۔ (اسی مصنف یعنی اسمٰعیل کی دوسری کتاب 'منصب امامت' میں اسی سید احمد بریلوی کے لئے 'وحی باطنی' کا دعویٰ کیا گیا اور یوں ختم نبوت کے انکار کی خشت اول رکھ دی گئی) عربی کالج ایسی ہی 'تعلیم' کی باضابطہ ترویج واشاعت کے لئے معرض وجود میں لایا گیا تھا۔ چنانچہ غدار پڑھاتے رہے اور غدار بناتے رہے۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں سب سے اہم کردار اسمٰعیل دہلوی کا علمی و دینی تعاقب کرنے والے مجاہد اسلام حضرت مولانا فضل حق خیر آبادی علیہ الرحمہ کا تھا۔ عاشقان رسول، علمائے حق اور جان نثاران اسلام نے مولانا کے ساتھ جہاد میں حصہ لیا۔ اس موقع پر 'اسمٰعیلی' لوگ سب کے سب انگریزوں کے ساتھ تھے اور وہ جس جس انگریز کو بچا سکتے تھے، بچاتے رہے۔ بادشاہ کے رشتہ داروں میں بڑے اہم غدار تھے اور ان سب غداروں کی ضمیر فروشی اور اسلام دشمنی کی بنا پر انگریز جیت گئے۔ اور جب جیت گئے تو انھوں نے ظلم وستم کی انتہا کر دی۔ ان کی متشددانہ کارروائیوں کے ذکر سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ آج عراق، فلسطین اور افغانستان کے مسلمانوں پر بش جیسے شیطان اکبر نے جو مظالم ڈھائے ہیں اور گوانتاموبا کے قیدیوں سے جو سلوک کیا جا رہا ہے، ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے فوراً بعد انگریزوں کے مظالم غالباً ان سے بھی بہت زیادہ تھے۔ مگر انگریزوں کے جاسوس مسلمانوں کی اس تباہی و بربادی پر بغلیں بجا رہے تھے اور جاگیریں انعامات اور سندات وصول کر رہے تھے۔ انگریزوں کے جو رواستبداد کی تفصیل اس قدر زیادہ ہے کہ اس مختصری تحریر میں اس کی گنجائش نہیں، شاید خدا توفیق دے تو پھر کسی آئندہ قسط میں اس پر کچھ، اظہار خیال کر سکوں، مگر جنگ آزادی میں مسلمانوں کی ناکامی کے باوجود غداروں کی پہچان مشکل نہ رہی اور جن لوگوں سے ان کا، سیاہ باطن' چھپا ہوا تھا، ان پر بھی ان کے ناپاک عزائم کھل گئے۔ مگر چونکہ اسلام دشمنوں کی حکومت تھی، اس لئے ان غداروں کی، اسلام 'دشمنی' پر کون سزا دیتا، کون ان سے بائیکاٹ کرتا اور کون ان کے خلاف محاذ قائم کرتا۔ انگریز مسلمانوں کے مدرسے تباہ کرتے رہے' ان کے بناتے رہے' مسلمانوں کو معاشی پریشانیوں میں الجھاتے رہے، انھیں وظیفے دیتے، مسلمانوں کے کتبخانے برباد کرتے رہے اور ان سے تقویت الایمان مارکہ کتابیں لکھواتے رہے۔ انگریز مسلمانوں پر تو واقعی ظلم وتشدد کی انتہا کر رہے تھے مگر ان کے لئے واقعی رحم دل تھے، اس لئے اس دور میں جب نام نہاد اہل حدیث اور اہل دیوبند انگریزوں کی سرکار کو 'رحمدل' بتاتے تھے تو ان کی حد تک واقعی سچ تھا، وہ یقیناً ان ملت فروشوں کے حق میں بہت رحم دل تھے۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں جن لوگوں نے اپنوں کے ساتھ بے وفائی اور غیروں کے ساتھ وفا کی تھی (یا یوں سمجھو مسلمانوں کو غیر اور انگریزوں کو اپنا سمجھ کران کا ساتھ دیا تھا) مسلمان آفات ومصائب کے ہجوم میں انھیں پھر فراموش کر گئے اور وہ اپنی 'نوکری' کے 'فرائض' نبھاتے رہے۔

مسلمانوں سے جب اسلام کا انتقام لیا جارہا تھا اور انھیں طرح طرح سے ذلیل ورسوا کرنے کی سازشیں زوروں پر تھیں، دارالعلوم دیوبند مظاہر العلوم سہارنپور کی بنیاد رکھی گئی۔ ان کی بنیاد رکھنے میں پیش پیش کون تھے، اس کا جواب عبدالحکیم اختر شاہجہان پوری مرحوم دیتے ہیں

''جب دارالعلوم دیوبند اور مظاہر العلوم سہارن پور دونوں ہی دینی درسگاہیں ہیں پھر ان کے متعلق سرکاری امداد اور ڈپٹی انسپکٹروں کے آنے یا نہ آنے کے ذکر کا یہاں کوئی موقع اور محل ہی نہیں تھا۔ یہ ہر تعلیم یافتہ آدمی جانتا ہے کہ سرکاری امداد کن مدارس کو ملتی ہے اور ڈپٹی انسپکٹر کون سے تعلیمی اداروں میں جایا کرتے ہیں۔ چونکہ یہاں چور کی داڑھی میں تنکے والا معاملہ تھا، لہذا موصوف کو یہ غیر متعلق شیخی بگھارنی پڑی۔ قارئین کرام کی تسلی کے لئے ہم وہ تنکا بھی دکھادینا ضروری سمجھتے ہیں، جس نے روحی صاحب کو یہ البیلا اور لاتعلق بیان داغنے پر مجبور کیا تھا۔

دارالعلوم دیوبند اور مدرسہ مظاہر العلوم سہارن پور کی حقیقت اور ان کے بانیوں اور کارکنوں کے مدلل اور تفصیلی خدوخال بصد شوق اسی کتاب میں ملاحظہ فرمائے جاسکتے ہیں، یہاں صرف اتنا عرض کردینا کافی ہے کہ دارالعلوم دیوبند کے بانی مولوی محمد قاسم نانوتوی (التوفی ۱۲۹۷ھ/۱۸۷۹ء)، مولوی مملوک العلی نانوتوی (التوفی ۱۲۶۷ھ/۱۸۵۱ء) کے شاگرد عزیز اور دہلی کالج کے تربیت یافتہ تھے۔ اس مدرسہ کی تاسیس میں جن حضرات کا ہاتھ تھا، ان میں سے ایک مولوی محمود الحسن دیوبندی (التوفی ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۰ء) کے والد مولوی ذوالفقار علی دیوبندی (التوفی ۱۳۲۲ھ/۱۹۰۴ء) تھے جو پہلے بریلی کالج کے پروفیسر اور پھر ڈپٹی انسپکٹر مدارس رہے اور اسی عہدے سے ریٹائر ہوئے تھے۔ دوسرے مولوی شبیر احمد عثمانی (التوفی ۱۳۶۹ھ/۱۹۴۹ء) کے والد مولوی فضل الرحمٰن تھے جو بریلی میں ڈپٹی انسپکٹر مدارس رہے اور اسی عہدے پر رہتے ہوئے ملازمت ختم ہوئی۔ دارالعلوم دیوبند کے پہلے صدر مدرس مولوی محمد یعقوب نانوتوی (التوفی ۱۳۰۲ھ/۱۸۸۴ء) دہلی کالج کے تربیت یافتہ اور مولوی مملوک العلی کے صاحبزادے تھے۔ پہلے یہ اجمیر کالج میں مدرس مقرر ہوئے تھے۔ اس کے بعد بنارس، بریلی اور سہارن پور میں ڈپٹی انسپکٹر مدارس بن کر رہے۔ گویا مدرسہ دیوبند قائم کرنے والے، پڑھانے والے، چلانے والے سب کے سب سرکاری آدمی تھے اور خاص طور پر ڈپٹی انسپکٹر مدارس ہی رہے تھے۔ دریں حالات یہاں ڈپٹی انسپکٹروں کے آنے کی کونسی ضرورت اور گنجائش باقی رہ گئی تھی؟''

مدرسہ مظاہر العلوم سہارن پور کے مدرس اول مولوی محمد مظہر نانوتوی تھے۔ موصوف دہلی کالج کے تربیت یافتہ اور مولوی مملوک العلی نانوتوی کے شاگرد اور عزیز تھے۔ تمام عمر سرکاری ملازمت کی اور آگرہ کالج میں تعلیمی خدمات سرانجام دیتے رہے۔ ریٹائر ہونے پر سہارن پور میں یہ مدرسہ قائم کرلیا۔ ان کے معاون خاص، موصوف کے حقیقی بھائی مولوی محمد منیر نانوتوی تھے۔ یہ بھی دہلی کالج کے تربیت یافتہ اور برٹش گورنمنٹ کے ملازم تھے۔ بریلی کالج میں تعلیمی خدمات انجام دینے پر مامور رہے۔ سرکاری ملازمت ختم کرنے کے بعد دونوں بھائیوں نے سہارن پور میں مدرسہ قائم کرلیا۔ یہ تھے ان مدارس کے کارندے۔ کیا حکومت ان حضرات کو اپنی طرف مائل کرنے کی کوشش کرتی۔؟''

یہ ہے مدرسہ دیوبند کے بانیوں کی جماعت، فرمایئے ان سے اسلام کی خیرخواہی کی کیا توقع ہوسکتی تھی۔ چنانچہ انھوں نے اپنے انگریز آقاؤں کی رضاجوئی ہی کے لئے اپنی عمر فانی وقف کردی۔ رب تعالی نے اپنے حبیب اکرم واعظم ﷺ کو ارشاد فرمایا۔

**قل ان صلاتی و نسکی ومحیای و مماتی لله رب العلمین ۝ (الانعام۔۱۶۲)**

ترجمہ: تم فرماؤ بیشک میری نماز اور میری قربانیاں اور میرا جینا اور میرا مرنا سب اللہ کے لئے ہے جو رب سارے جہان کا

یوں سمجھئے حضور پرنور ﷺ کا ہر سچا غلام اپنے آقا و مولا علیہ الصلوۃ والسلام کی سنت کے مطابق اسی لائحہ عمل پر چلتا ہے اور اپنی زندگی کی ہر حرکت و توانائی اپنے رب العلمین کی رضا کے لئے وقف کر دیتا ہے۔ اس کے برعکس نجد و دیوبند کے 'موحدین' نے اپنی ہر حرکت و توانائی 'انگریز' کی خوشنودی پر قربان کردی اور یہ نعرہ لگایا

حاصل عمر نثار رہ یارے کر دم　　　　شادم از زندگی خویش کہ کارے کر دم

علمائے نجد و دیوبند نے ملت اسلامیہ کو خوب دھوکے میں رکھا اور ہر ممکن طریقے سے انھیں آستان رحمۃ للعلمین ﷺ سے دور کرنے کی سعی نامحمود کرتے رہے۔ ملت اسلام کے کئی بدقسمت افراد ان کے دام فریب میں آکر راہ عشق و ایمان سے دور نکل گئے۔ حالات کی یہی رفتار تھی کہ زمانے نے پلٹا کھایا اور انگریزوں کا برعظیم میں مزید ٹھہرنا دشوار ہونے لگا۔ آزادی کی تحریکیں چلیں اور یہاں کی دو بڑی قوموں یعنی مسلمانوں اور ہندوؤں نے ان میں حصہ لینا شروع کردیا انگریزوں کی ہمدردیاں اپنی مخصوص اسلام دشمنی کی بنا پر ہندوؤں کے ساتھ تھیں اور ان دونوں کی سازش یہ تھی کہ تخت اقتدار پر ہندو براجمان ہوں۔ مسلمانوں کے نزدیک انگریزوں کی غلامی سے ہندوؤں کی غلامی کم خطرناک نہیں تھی۔ انھوں نے مسلم لیگ کے جھنڈے تلے جمع ہو کر آزادی کے حصول اور پاکستان کے قیام کو اپنی منزل مقصود قرار دیا۔ بیدار مغز مسلمانوں کو تاریخ کی روشنی ہی میں ہندوؤں کا جوش انتقام اور مسلمانوں سے ان کی نفرت کا اندازہ نہیں تھا بلکہ آزادی کی ان تحریکوں کے دور میں بھی ہندو مسلمانوں کے خلاف بدترین بغض کا مظاہرہ کررہے تھے کہیں شدھی کی تحریک چل رہی تھی اور کہیں کسی صوبے کی حکومت پر قبضہ کر کے فرزندان اسلام پر ظلم و تشدد کے پہاڑ توڑ رہے تھے۔ مسلمان آنکھوں سے ان کا ظالمانہ رویہ دیکھ کر اور زیادہ ہشیار ہو گئے اور اس تناظر میں مسلم لیگ کا ساتھ دینے پر مجبور ہو گئے۔ مگر نجد و دیوبند کے 'موحدین' جو انگریزوں کے بعد ہندوؤں کے ہاتھ پر بک چکے تھے، دن رات گاندھی کے گیت گاتے رہے اور اس کی اتباع میں متحدہ قومیت کا نعرہ لگا کر مسلمانوں کی دائمی غلامی کے لئے تگ و دو کرتے رہے۔ چنانچہ ظاہری حالات ہی مسلمانوں کو ایک پلیٹ فارم پر آ کر ایک جدید اسلامی مملکت کے قیام کی کوششوں پر مجبور نہیں کررہے تھے، بلکہ تمام مردان باصفا، صوفیہ عظام اور عاشقان رسول ﷺ جن کے نفس گرم سے غلامی کی تاریک رات میں بھی حق کی شمع روشن رہی تھی، اپنے نور باطن سے پاکستان کی ضرورت محسوس کررہے تھے، پھر مختلف خوش نصیب افراد کو خود حضور رحمۃ للعلمین ﷺ بھی خواب میں تشریف لا کر مسلم لیگ سے تعاون کی تاکید فرمارہے تھے، بلکہ قائداعظم علیہ الرحمہ کے بقول خود حضور سرور کائنات ﷺ نے انھیں انگلینڈ سے بھارت آکر مسلم لیگ کی قیادت کرکے پاکستان کے حصول کی کوشش کا حکم دیا اور کامیابی کی ضمانت بھی دی۔ (آپ گذشتہ صفحات میں دیکھ چکے ہیں ایسا اشارہ خواب میں حسین احمد ٹانڈوی کو بھی ہوا مگر اس بدبخت نے حکم ماننے سے انکار کردیا تھا)

بہرحال پاکستان بن گیا جیسا کہ محبوب خدا حضور سید الصادقین ﷺ نے وعدہ فرمایا تھا اور دشمن سر پیٹ کے رہ گئے۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ جیسے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی سے جس طرح مومن و منافق کی پہچان بڑی آسان سے ہوسکتی تھی یونہی قدرت نے تحریک پاکستان کو بھی مخلص مومنوں اور دغاباز منافقین کی شناخت کا ذریعہ بنا دیا تھا۔ جو لوگ فرزندان اسلام کو مشرکین کی دائمی غلامی میں دے کر انھیں صفحہ ہستی سے ناپید کرنا چاہتے تھے، انھیں ہمیشہ کے لئے قوم و مذہب کا قاتل سمجھنا چاہئے تھا۔ مگر افسوس مسلمان پھر بھول گئے بلکہ یوں لگا جیسے تحریک پاکستان کی سرگرمیوں نے انھیں تھکا دیا ہے اور قیام پاکستان کے بعد انھوں نے ستانے کا پروگرام بنالیا ہے۔ یہ آرام کرتے کرتے گہری نیند سو گئے، دشمنوں کی سازشوں کو اور ان کے ناپاک عزائم کو بھول گئے۔ نتیجہ یہ نکلا وہ مدرسے اور مدرسوں کو اسلحہ خانے بناتے رہے، سیاست کی دوڑ میں پہلے سے زیادہ سرگرم ہو گئے اور جس پاکستان کی پوری شدت سے مخالفت کرتے رہے تھے، اب اس پر قبضے کا پروگرام بنانے لگے۔ ان مخالفین (یا منافقین) میں سے بعض نے 'مرشدان حق گو' کا لبادہ اوڑھا اور اپنے اپنے حلقے میں غوث اور قطب بن بیٹھے (جیسے لاہور کا احمد علی) اور بعض مدرسین، مصنفین، محققین اور مورخین کے لباس میں قوم کا ذہن مسموم کرنے پر تل گئے۔ قوم ان کے ماضی پر نظر رکھتی اور دوبارہ ان سے دھوکا نہ کھاتی تو شاید پاکستان موجودہ کرب انگیز

مسائل سے دو چار نہ ہوتا۔ اب اسلام اور پاکستان کے یہ ازلی دشمن مختلف کلیدی اسامیوں پر براجمان ہو گئے اور اپنے اپنے آدمیوں کو بھرتی کر کر کے اپنے ہی بیوروکریٹ طبقات پیدا کر لئے۔ اب صورت حال اتنی نازک ہو گئی ہے کہ جو شخص چوروں کی نشاندہی کرتا ہے، وہی انتشار پسند ٹھہرایا جاتا ہے۔ جناب سید نور محمد قادری مرحوم نے بھی عوام وخواص کی اسی دردناک غفلت کا رونا رویا ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔

'اب مولوی شمس الحق افغانی صاحب سابق شیخ التفسیر جامعہ اسلامیہ بہاولپور کے چند اشعار سنئے۔ یہ اشعار پڑھ کر ایک حساس قاری یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ ان اشعار کے خالق کو سرکاری یونیورسٹی جامعہ اسلامیہ بہاولپور میں شیخ التفسیر کی کرسی پر کیسے اور کیوں بٹھایا گیا۔ اور پھر پاکستان میں صرف یہی ایک مثال نہیں بلکہ اور بیشمار لوگوں کو سونے چاندی میں تولا گیا جو سرے سے دو قومی نظریہ کے ہی مخالف تھے اور پاکستان کے بعد بھی اس عقیدہ پر قائم رہے کہ پاکستان محض جغرافیائی مجبوریوں کی بنا پر ظہور میں آیا ہے' مثلاً غلام رسول مہر اور جناب مشتاق احمد صاحب سابق آڈیٹر جنرل پاکستان، مولانا مہر جو مورخ پاکستان اور شارح اقبال کے نام سے یاد کئے جاتے ہیں۔ اپنے ایک مضمون 'پاکستان کے چند بنیادی مسائل' میں لکھتے ہیں:

''یہ حقیقت بھی پیش نظر رکھ لینی چاہئے کہ تقسیم کے جو خط شمال مغرب اور شمال مشرق میں کھینچے گئے تھے، وہ جغرافیائی خط تھے یعنی دونوں جانب زمین کے معین ٹکڑوں کو الگ الگ کیا گیا تھا۔ مسلموں اور غیر مسلموں کے گروہوں کو الگ الگ نہ کیا گیا تھا۔ پھر دو قوموں کا نظریہ کہاں سے پیدا ہوا یا اس سے وہ مفہوم پیدا کرنے کی کیا دلیل ہے جسے دو قوموں کے نظریے کے سلسلے میں پیش نظر رکھا جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ تقسیم کی بنیاد قومی نہیں، جغرافیائی تھی۔' (روزنامہ لاہور ۲۳ مارچ ۱۹۵۸ء)

جناب مشتاق وجدی صاحب سابق آڈیٹر جنرل پاکستان کی خودنوشت ''ہنگاموں میں زندگی'' نہایت ہی نفیس کاغذ، کتابت وطباعت کے ساتھ فیروز سنز کی طرف سے شائع ہوئی ہے۔ اس کے صفحات نمبر ۱۲۶ تا نمبر ۱۳۹ پر فاضل مصنف نے مسلم لیگ اور نظریہ پاکستان کے خلاف جی بھر کر زہر اگلا ہے۔ کسی کا مصرع ہے

ع منزل انھیں ملی جو شریک سفر نہ تھے

اس کے مصداق یہی شیخ التفسیر مولانا شمس الحق افغانی، مولانا مہر اور مشتاق وجدی صاحب جیسے حضرات ہی ہیں جو تمام عمر مسلم لیگ' اس کے قائد اور نظریہ پاکستان کے خلاف کام بھی کرتے رہے، اور اعلیٰ عہدوں پر متمکن بھی رہے۔ دولت خداداد کے پیسے سے عیش بھی کرتے رہے اور جی بھر کر اسے کوستے بھی رہے۔ اب بھی خدا جانے کتنے لوگ ہوں گے جو نظریہ پاکستان، حضرت قائد اور حضرت علامہ کے نظریات کے سخت مخالف بھی ہوں گے اور حکومت کی آنکھوں کا تارا بھی بنے ہوں گے۔'' (اقبال کا آخری معرکہ)

تحریک پاکستان جیسا کہ میں نے اوپر عرض کیا ہے دراصل قدرت کاملہ کی طرف سے مخلصین اور منافقین کی پہچان کرانے کا ایک ذریعہ بھی تھی۔ اوپر کی سطور سے ظاہر ہو گیا ہے کہ نجد و دیوبند کے موحدین اپنا تن من دھن اسلام دشمن گاندھی اور دوسرے مشرکین کی رضا کیلئے وقف کر چکے تھے اور ان میں جو جتنا بڑا لیڈر تھا، اتنا ہی گاندھی کے عشق میں ڈوب کر مسلمانوں کو نقصان پہنچانے میں گاندھی سے بھی زیادہ پر جوش تھا۔ اور ان میں سب کا لیڈر ابوالکلام آزاد تھا جسے گاندھی حضرات 'امام الہند' کہتے تھے یعنی منافقین ہند کا امام۔ اس نام نہاد 'مفسر قرآن' نے اپنے کافرانہ مقصد کی تکمیل کیلئے جو شرمناک کردار ادا کیا اور حسبِ ضرورت جس حد تک جھوٹ بولا، وہ ہمارے تمہارے تصور سے بالاتر ہے۔ صرف چند عنوانات کے تحت اس کی نجس ومشرکانہ سیرت کے صرف چند گوشے پیش کئے جاتے ہیں۔

**ہندو مذہب اور توحید:** 'ابوالکلام آزاد' کا ارشاد ضلالت بنیاد سنئے

''ہندو مذہب کا پرانا دماغ اور نقشہ جو ہمارے سامنے آتا ہے، اس میں بہت زیادہ وسعتیں تھیں اور جہاں تک میرا مطالعہ ہے،

دنیا کے تمام مذاہب میں نظریہ توحید کو جس مذہب نے سب سے زیادہ قریب سے دیکھا ہے وہ ہندو مذہب ہے۔ میرے پاس اس کے بہت سے تاریخی شواہد و نظائر موجود ہیں۔ لیکن آج ہندو دھرم کی وہ شکل باقی نہیں ہے اور اس کے بہت سے خانے خالی ہو چکے ہیں'' (خطبات: خطبۂ آزاد بعنوان مہاتما گاندھی کی یادگار)

فرمایئے، بدبخت نے اسلام پر بھی ہندو مذہب کی توحید شناسی کو ترجیح دے دی۔ اب انصاف کیجئے، کیا ایسا تصور کسی مسلمان کا ہو سکتا ہے اور کوئی فرد ایسی بات کہہ کر کے مسلمان رہ سکتا ہے۔ یہ ہے کانگریسی ملاؤں کا 'امام الہند'۔

فرمایئے کیا یہ دعویٰ کبھی گاندھی، نہرو یا پٹیل وغیرہ نے کیا، کیا ان کے بڑے بڑے لیڈر آج دیوتاؤں اور دیویوں کی پوجا نہیں کرتے۔ اسلام اللہ کا اتارا ہوا ہر نبی علیہ السلام کا دین ہے اور ظاہر ہے پہلے نبی سے لے کر نبی آخر الزمان ﷺ تک سب کے سب بہترین انداز میں توحید کے علمبردار رہے ہیں اور کسی دور میں بھی کوئی مذہب اس دین سے زیادہ توحید کا داعی و آشنا ہو، ناممکن ہے، مگر آزاد جو ایمان و اسلام سے بیزار اور شرم وحیا سے آزاد ہے، دنیا کے بدترین جھوٹ کا؟ کیسا بدنصیب منافق ہے جو تینتیس کروڑ دیوتاؤں کو پوجنے والوں کے مذہب کو نظریہ توحید کو قریب سے دیکھنے والا قرار دے رہا ہے۔ ابھی ۱۹۹۲ء میں مقبوضہ کشمیر میں 'ایکتا یاترا' کی تقریب میں ہندوؤں نے نعرہ لگایا، ایک طرف ۳۳ کروڑ، ایک طرف ایک اللہ، یعنی ہندوؤں کے تینتیس کروڑ معبود ہیں اور مسلمانوں کا صرف ایک اللہ ہے، چنانچہ ہندو ہو یا مسلمان انگریز ہو یا کوئی اور اتنا جھوٹ نہیں بول سکتا جتنا ابوالکلام آزاد نے بولا۔

**مجسمے کے آگے سر بسجود:** اخبار ویر بھارت لاہور مورخہ ۲۱ نومبر ۱۹۴۶ء اور نوائے وقت ۲۸ نومبر ۱۹۴۶ء میں شائع ہونے والی ایک خبر ملاحظہ ہو 'ایک طرف سردار پٹیل اور آچاریہ کرپلانی ہیں جن کا ہر قول اور ہر فعل ہندو تہذیب کو زندہ کرنے کیلئے ہے اور دوسری طرف 'الہلال' کا مدیر اور کسی زمانے کا امام الہند ہے کہ بھارت ماتا کے مجسمے کے قدموں میں سر بسجود دکھایا گیا۔

وائے بر عشقے کہ ناراو فسرد     درحرم زائید و در بتخانہ مرد     (دیوبندی مذہب)

**آزاد اور ٹانڈوی کی بت پرستی:** ایک اور خبر ملاحظہ ہو

مولانا ابوالکلام آزاد کانگرس کے صدر ہیں اور اب مولانا حسین احمد مدنی صاحب بھی مجلس عاملہ کے رکن منتخب ہو کر کانگریس ہائی کمانڈ میں شامل ہو گئے ہیں۔ اس لئے ان دونوں حضرات پر کانگریسی کمیٹیوں کے طریق کار کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے اور ان سے ہی کانگریسی اجتماعات و دفاتر کی بت پرستی کے متعلق سوال کئے جا سکتے ہیں کیا ان کو معلوم ہے کہ متعدد کانگریسی دفاتر میں لکشمی دیوی کی تصاویر اور بعض میں کسی نہ کسی دیوتا کے مجسمے بھی لگے ہوتے ہیں جن کو ہار پہنائے جاتے ہیں اور دوسرے طریقوں سے ان کی پوجا کی جاتی ہے؟ کیا یہ طرز عمل کانگریس کے پروگرام کا جزو ہے اور کیا اس سے مولانا آزاد اور مولانا مدنی صاحب کو اتفاق ہے؟

کانگریسی عہدہ دار اور والنٹیئر چوپائی پر جا کر تلک مجسمہ کے حلقہ باندھ کھڑے ہوتے ہیں۔ بندے ماترم گاتے ہیں اور پھر تلک کے مجسمہ کو ہار پہنا کر سندھور لگاتے ہیں اور ڈنڈوت وغیرہ کرتے ہیں۔ اس رسم میں مسلمان کانگرسیوں کو بھی شریک ہونا پڑتا ہے (دیوبندی مذہب بحوالہ تحریک پاکستان اور نیشنلسٹ علماء)

**علمائے دیوبند دیویاں پوجتے رہے۔** کئی برس ادھر کی بات ہے کہ مشہور ترک خاتون محترمہ خالدہ ادیب خانم ہندوستان تشریف لائیں اور اس ملک کے دورے کے بعد انھوں نے 'اندرون ہند' کے نام سے ایک کتاب لکھی۔ اس کتاب میں ایک باب گاندھی آشرم کے متعلق ہے۔ محترمہ نے اس باب میں مسٹر گاندھی کی عبادت یا پرارتھنا کا نقشہ بھی کھینچا تھا اور صاف لفظوں میں بتایا تھا کہ ہندو دیویوں کی عبادت اور دیگر مشرکانہ رسوم کی ادائیگی کے وقت بھی خان عبدالغفار خان اور بعض ہندوستانی مولوی بھی پجاریوں میں شریک دیکھے گئے۔ (دیوبندی مذہب بحوالہ تحریک پاکستان اور

نیشنلسٹ علماء)

**گاندھی جی کی عظمت اور رسی**: ''پس ہمیں گاندھی جی کی عظمت ان ادنٰے درجے کی چیزوں میں نہیں ڈھونڈھنی چاہئے بلکہ پردہ اٹھا کر دیکھنا چاہئے۔تب حقیقت کا چہرہ صاف نظر آئے گا۔وہ اتنی بلندی پر تھے کہ دنیا کی کوئی حد بندی ان کا راستہ نہیں روک سکی''

اس سے کچھ پہلے اپنی عقیدت وحلقہ بگوشی کا اظہار یوں کیا۔

'ایسے ایسے اختلافوں کے باوجود ان کی عظمت کی جو رسی ہماری گردنوں میں پڑی ہوئی تھی،ہم کبھی اس سے باہر نہیں آسکے'

(خطبات آزاد)

**گاندھی قائداعظم**: نام نہاد 'امام الہند' اپنے امام کی بارگاہ میں یوں اظہار عقیدت کرتے ہیں

'میں یقین کرتا ہوں کہ اگر ترکی سے باہر کوئی انسان اس کا مستحق ہے کہ ترکی کی فتح پر اسے مبارکباد دی جائے تو وہ ہندوستان کے قائداعظم مہاتما گاندھی ہیں'

گویا مسلمانوں کے قائداعظم محمد علی جناح علیہ الرحمہ اور آزاد کا قائداعظم گاندھی۔جس کے بارے میں مولانا ظفر علی خاں مرحوم نے فرمایا

بھارت میں بلائیں دو ہی تو ہیں،اک ساورکر، اک گاندھی ہے
اک جھوٹ کا اٹھتا طوفاں ہے ، اک مکر کی چلتی آندھی ہے

اوران سے پہلے جناب اکبرالہ آبادی نے فرمایا

ہوں مبارک حضور کو گاندھی ایسے دشمن نصیب ہوں کس کو
کہ پٹیں خوب اور سر نہ اٹھائیں اور کھسک جائیں جب کہو کھسکو

اس قطعے کا پس منظر یہ تھا کہ رولٹ ایکٹ کے خلاف شورش کرانے کے نتیجے میں ہزاروں آدمی جب جلیانوالہ باغ امرتسر میں مروادیئے گئے تو گاندھی کو اپنی غلطی کا احساس ہوا اور اعتراف کیا کہ 'میں نے عدم تشدد سے توقعات وابستہ کر کے ہمالیہ جتنی بڑی غلطی کا ارتکاب کیا ہے۔غرض ستیاگرہ کو ختم کرنے کا اعلان کر دیا گیا۔گاندھی نے چپ سادھ لی اور ''ٹھہرو اور دیکھو' کی پالیسی پر عمل کرنا شروع کر دیا'۔اس سے بہت سے لوگوں کی حوصلہ شکنی ہوئی۔اکبر کی گاندھی سے مایوسی یہیں سے شروع ہوئی جس کا اظہار مذکورہ بالا قطعے کی شکل میں ہوا،(اکبرالہ آبادی۔از خواجہ محمد زکریا)

یہ تھا ابوالکلام کا قائداعظم گاندھی جس نے ہزاروں آدمی مروا کر ہمالیہ جتنی بڑی غلطی کا اعتراف کیا،اس کے باوجود مرید صادق کا انداز عقیدت دیکھئے۔''میرا یقین ہے کہ ہندوستان کے لئے مہاتما گاندھی کی رہنمائی ایک سچی رہنمائی ہے اور اگر ہندوستان آزادی اور نجات حاصل کر سکتا ہے تو صرف ان ہی کی رہنمائی ہے۔

فرمایئے کیا مسلمانوں کے قائداعظم نے بھی ایسی غلطی کی۔

افسوس!ملت اسلام کے اس نمک حرام نام نہاد 'مفسر قرآن' کو گاندھی جیسے بت پرست ومشرک کو 'مہاتما' (یعنی روح اعظم) کہتے شرم نہیں آتی۔واقعی کیسا بد بخت اور شقی القلب ہے۔میں نے خطبات آزاد کو سرسری نظر سے بار بار دیکھا مگر ایک مقام پر بھی حضور پرنور سید عالم ﷺ کا نام پاک تک نہیں دیکھا۔ہاں ہاں کائنات کی روح اعظم تو حضور شہنشاہ لولاک ﷺ ہیں،مگر اس 'بے ایمان' کے نزدیک گاندھی جیسا جھوٹا،مکار اور دشمن اسلام ہے۔

مرا عیش غم،مرا شہد سم ، مری بود ہم نفس عدم
ترا دل حرم،گرو عجم، ترا دیں خریدۂ کافری!!

گلہ جفائے وفانما کہ حرم کو اہل حرم سے ہے
کسی بتکدے میں بیاں کروں تو کہے صنم بھی ہری ہری

**مسجد شہید گنج کا تنازع:** نہایت اختصار سے عرض ہے کہ اس مسجد کا بانی عبداللہ خاں مرحوم لاہور کا کوتوال رہ چکا تھا۔ اس کے متصل ہی ایک صوفی شاہ کاکو علیہ الرحمہ کا مزار بھی تھا جہاں ہر سال عرس منعقد ہوا کرتا تھا۔ سکھوں نے اپنے دور میں مسلمانوں پر از حد ظلم وتشدد کیا اور جس عمارت پر چاہا، قبضہ کرلیا۔ چنانچہ مسجد بھی ان کے قبضے میں آ گئی اور عرس بھی موقوف ہو گیا۔ انگریزوں کی ہمدردی بھی ہندوؤں اور سکھوں کے ساتھ تھی۔ چنانچہ مسلمانوں سے زور آزمائی کیلئے سکھوں نے طے کرلیا کہ مسجد کو شہید کردیا جائے۔ افواہ پھیلی تو مسلمان انگریز گورنر ہربرٹ ایمرسن (جسے بعد میں مسلمان امر سنگھ کہتے تھے) سے انصاف چاہا مگر اس نے ٹال دیا اور با قاعدہ ۴ اور ۵ جولائی ۱۹۳۵ء کی درمیانی رات کو مسلح فوج اور پولیس نے مسجد کو گھیر لیا۔ یونینسٹ پارٹی کے نام نہاد مسلمانوں کی بے غیرتی کہ وہ انگریزوں کو خوش کرنے کیلئے سکھوں کا ساتھ دے رہے تھے۔ مسلمان مولانا ظفر علی خاں مرحوم کی قیادت میں مسجد کو شہادت سے بچانے کیلئے دہلی دروازے سے آگے بڑھے تو ان میں بہت سے حکومت کی گولیوں سے خود شہید ہو گئے۔ ۱۹۳۶ء تک مسلمان رضا کار، شاہی مسجد سے نکل کر شہید گنج کی طرف بڑھتے تو شہید ہو جاتے۔ ''مسجد شہید گنج کا انہدام جیسا المناک سانحہ تھا اس سے مسلمانوں کی غیرت ملی، عزت ووقار کو جو ٹھوکر لگی اور وہ بھی اس صوبے میں جہاں ان کی اکثریت تھی، بلکہ کہنے کو حکومت بھی، اس پر ہر مسلمان کا دل تڑپ اٹھا۔ سب سے زیادہ صدمہ شاید حکیم الامت علامہ محمد اقبال علیہ الرحمہ کو ہوا۔ وہ پہلے ہی محسوس کر چکے تھے مسجد و اگر از ہو سکتی ہے تو زور بازو سے، قانونی چارہ جوئی سے نہیں، وہ اس سلسلے میں اتنے پر جوش تھے کہ ان کے نزدیک پورے برصغیر کے مسلمانوں کو اس واقعے پر سول نافرمانی کی تحریک چلانے سے گریز نہیں کرنا چاہئے۔ مثنوی 'پس چہ باید کرد اے اقوام شرق' میں اسی مسجد کے سلسلے میں فرماتے ہیں

مومناں را گفت آں سلطان دیں — مسجد من ایں ہمہ روئے زمیں
الاماں از گردش نہ آسماں — مسجد مومن بدست دیگراں
سخت کوشد بندہ پاکیزہ کیش — تا بگیرد مسجد مولائے خویش

پنجاب کے وزیر اعظم بے غیرت سکندر حیات نے اپنی وزارت بچانے کیلئے گورنر سے ملی بھگت کر کے ملک برکت علی کا مسودہ قانون جو علامہ اقبال کی ہدایت سے تیار ہوا تھا اور جسے اسلامی اوقاف اور مساجد کے تحفظ کیلئے اسمبلی میں پیش کیا جانا تھا، پیش نہ ہونے دیا۔ اس موقعے پر ابوالکلام آزاد کے پیرو امام گاندھی نے سکندر حیات کو مبارکباد دی۔ چاہئے تو یہ تھا آزاد گاندھی کے اس رویے سے اس کی اسلام دشمنی بھانپ لیتا اور اگر تھوڑی بہت اسلامی غیرت تھی تو اسے چھوڑ دیتا مگر اس بد بخت و نمک حرام نے بھی گاندھی کے نقش قدم پر چلتے ہوئے سکندر حیات کو مبارکباد دی (تفصیل دیکھیں 'اقبال کے حضور' از سید نذیر نیازی)

یہ ایک ایسا مرحلہ تھا جس سے مسلمان اور منافق کی پہچان بالکل واضح ہو گئی تھی چنانچہ دیوبندیوں کے ایک اور ٹولے یعنی مجلس احرار جس میں انھوں نے بعض شیعہ اور وہابیوں کو بھی ساتھ ملا لیا ہوا تھا، نے بھی غداری کی اور غزوۂ احد کے موقع پر جس طرح رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی چند قدم ساتھ چل کر اپنے ساتھیوں سمیت پھر واپس چلا گیا تھا مجلس احرار نے بھی اپنے اسی مرشد اول کی سنت کو زندہ کیا، پہلے مسلمانوں کا ساتھ دیا، پھر چپ سادھ لی۔ مولانا ظفر علی خاں مرحوم نے اس موقع پر متعدد نظمیں اور قطعات لکھے۔ مندرجہ ذیل اشعار اسی تناظر میں ہیں۔

ہندوؤں سے ہے نہ سکھوں سے نہ کفار سے ہے — گلہ رسوائی اسلام کا احرار سے ہے

---

خالصہ کا ساتھ دے جب یہ شریعت کا امیر          کیوں کہوں اس کو نہ بابائل سیاسیات کا

---

میرے وہ عزیز جو مجلس احرار کو قادیانیوں کی مخالفت میں بڑا سرگرم سمجھتے ہیں، از راہ کرم اس کا یہ کردار بھی ملاحظہ فرمائیں۔

اس موقع پر امت مسلمہ کے خیر خواہوں کی خدمت میں دست بستہ عرض کرتا ہوں کہ اگر اس قسم کے دین فروش آج بھی برسر اقتدار آجائیں تو وطن عزیز کا کیا بنے گا۔ جن لوگوں نے نہایت نازک گھڑی میں اسلام کی بجائے کفر کی علمبرداری کی، کیا ان کے نماز و روزہ اور تسبیح و مصلیٰ سے دھوکا کھانا اسلام اور ملت اسلامیہ کیلئے مفید ہو سکتا ہے۔

واللہ! ہمارا کوئی سیاسی مقصد نہیں، ہم صرف یہ چاہتے ہیں کہ حضور انور ﷺ کے غلام دنیا میں اپنے سب سے بڑے آقا و مولا، اپنے سب سے بڑے ملجاو ماویٰ، سب سے بڑے محسن و مربی، سب سے بڑے رحیم و کریم محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دشمنوں اور باغیوں کو پہچان لے اور ان کے شر سے محفوظ رہے۔ قدرت نے جنگ آزادی میں انھیں پہچاننے کا موقعہ دیا، مگر ہم پھر بھول گئے، مسجد شہید گنج کے انہدام کے موقعے پر ان کی شناخت ہوگئی، مگر پھر فراموش کر گئے اور پھر مسلمانوں کی آزادی اور اسلامی تعلیمات کے نفاذ کیلئے پاکستان کے حصول کی کوشش ہوئی تو غدار پھر منظر عام پر آگئے مگر افسوس پاکستان بنا اور ہم ان سے ہشیار نہ ہوئے۔ پاکستان دولخت ہوا تو مسلمان خون کے آنسو روتے تھے مگر کانگرس کے یہ سگان باوفا خوشیاں منا رہے تھے۔ اسی قبیلے کے ایک شیطنت زدہ مفتی نامحمود نے کہا 'خدا کا شکر ہے ہم پاکستان بنانے کے گناہ میں شریک نہ ہوئے، اور اسی کا نا ہنجار بیٹا نام کا فضل الرحمٰن اور حقیقت میں عدو الرحمٰن بکتا رہا کہ پاکستان کا قیام اس صدی کا سب سے بڑا افراڈ تھا۔ مگر کسی کے کان پر جوں نہ رینگی۔ مودودی کے حواری اسے کیا کچھ نہیں سمجھتے اور واضح ترین آیات کریمہ واحادیث مقدسہ کے مقابلے میں اس کی خرافات کو ترجیح دیتے ہیں، قیام پاکستان کی اسلامی و دینی ضرورت سے بے خبر یا بے نیاز رہا اور قائداعظم کی شان میں بکتا رہا۔ اس کے باوجود موجودہ صورت حال یہ ہے کہ اس کے 'حواری' اسے بزور قلم یوں پیش کرتے ہیں جیسے قائداعظم اس کے شاگرد ہوں اور اگر کوئی قائداعظم اور مودودی کے اصل تعلقات کو ظاہر کرنے کیلئے مضمون لکھتا ہے تو قومی اخبارات اس ڈر سے کہ مودودی کے تربیت یافتہ جیالے اخبار کے دفتر کو آگ لگا دیں گے اسے شائع کرنے کی جرأت نہیں کرتا۔

کتنا غضب ہے جس مودودی کا بیباک قلم اکابر امت بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بلکہ انبیاء و مرسلین علیہم السلام پر تنقید کرنے سے باز نہیں آتا، اسے اتنا تقدس حاصل ہو گیا ہے کہ کوئی اس کے خلاف ایک حرف تک نہیں لکھتا۔ (اور ہم لکھتے ہیں تو گویا سر پر کفن باندھ کر اپنے اللہ اور اپنے آقا و مولا ﷺ کو خوش کرنے کیلئے ان سب خطرات سے بے نیاز ہو کر لکھتے ہیں)

**موجودہ حکمرانوں**: سے کبھی توقع ہوا کرتی تھی کہ شاید کرگل کے محاذ پر اپنی غیرت ملی کا مظاہرہ کرنے والے ممکن ہے پاکستان کے اسلامی تشخص کو بچا سکیں مگر افسوس یہ سب سے زیادہ بے درد نکلے اور بہت ہی بے غیرتی کے ساتھ خود اس پر تیشہ زنی میں مصروف ہیں۔ وہ مسجد شہید گنج جس کا نہایت مختصر حوالہ اوپر گزرا ہے اور جس سے سکھوں اور مسلمانوں کے نقطہ نظر اور مذہبی جذبے کا فرق کافی حد تک واضح ہو جاتا ہے، پنجاب کا موجودہ وزیر اعلیٰ پرویز سنگھ سکھوں کے فکر و عمل کا وارث بن کر اہل ایمان کو ایذا پہنچا رہا ہے............ میں نے ایک سال پہلے عرض کیا تھا

اوپر پرویز مشرف ہے، نیچے پرویز الٰہی ہے
دونوں پرویزوں کا ملنا دھرتی کی ڈبل تباہی ہے

☆......☆......☆

# توحید اور محبوبانِ خدا کے کمالات

## قسط: 58

پروفیسر محمد حسین آسی

گذشتہ قسط میں اس ارادے کا اظہار کیا گیا تھا کہ اب محبوب خدا علیہ التحیۃ والثناء اور دوسرے محبوبان خدا علیہم الرضوان کے ان کمالات کا جن کا تعلق جہاد سے ہے ذکر شروع کیا جائے گا۔ چنانچہ اس (قسط) میں غزوہ احد سے اس تابناک سلسلے کا آغاز کیا گیا تھا۔ ماہ شوال کے شمارے کو اس تحریر سے یہ مناسبت بھی تھی کہ غزوۂ احد بھی شوال ہی میں ہوا تھا، اور اب ذی قعدہ کے شمارے میں غزوہ خندق کا ذکر اس لئے بھی ضروری ہے کہ ایک تو غزوہ احد کے بعد زیادہ اہم یہی (غزوہ) ہے نیز اس لئے بھی کہ ایک معتبر روایت کے مطابق یہ ذی قعدہ ۵ھ میں وقوع پذیر ہوا تھا۔

اس سلسلے کے تعارف کی وجہ دہرائے دیتے ہیں کہ اس سے قوم کی تربیت مقصود ہے اس وقت بھی ہمارے قومی عزو وقار، شان وشوکت اور جاہ وجلال کی بقا کا دارومدار جذبۂ جہاد پر ہے اور ہمارے مسلمان حکمرانوں کا اگر وہ واقعی خود کو مسلمان سمجھتے ہیں تو فرض اولین ہے کہ قوم کی تربیت اس نہج پر کریں۔ اگر مختلف فرقوں کی فرقہ وارانہ 'مجاہد فوجیں خود ملی سلامتی اور امن وامان کی راہ میں حائل ہیں یا ہوسکتی ہیں تو بجا، مگر پاک فوج میں تو یہ جذبہ برقرار ہی نہیں روز افزوں ہونا چاہئے۔ یار غار نبوت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے سچ فرمایا تھا

**ما ترک قوم الجھا د الا عمھم اللہ بالعذاب (طبرانی)**

ترجمہ: جو قوم جہاد چھوڑ دیتی ہے اللہ تعالیٰ ان پر ایسی آفت بھیج دیتا ہے جو ان سب کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے۔

چاہئے تو یہ تھا کہ ہمارے حکمران تاریخ اسلام کو سامنے رکھتے اور اسلامی فتوحات پر غور کر کے ان کی روشنی میں دین حق کی علمبرداری کے لئے نیز دنیا کو ظلم وستم سے پاک کرنے کے لئے پاک فوج کو ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح مضبوط و مستحکم کرنے کی تدبیریں سوچتے، اور انھیں جذبہ عشق رسول ﷺ سے سرشار کر کے شوق شہادت سے اس طرح معمور کر دیتے کہ ایک ایک سپاہی رگ باطل کے لئے نشتر بن جاتا بلکہ پوری قوم کو خوف غیر اللہ سے نجات دلا کر ایک ایک فرد کو یہ سمجھا دیا جاتا

مقامی بن کے آیا ہے نہ راہی بن کے آیا ہے　　یہ دنیا رزمگہ ہے تو سپاہی بن کے آیا ہے
ترے لائق نہ دنیادار کا جامہ نہ زاہد کا　　ملا ہے درگہ حق سے تجھے رتبہ مجاہد کا　　(حفیظ)

یہ دنیا جو ایک مدت سے استعمار کی چکی میں پستی چلی آرہی ہے اور جہاں بش جیسے خونخوار بھیڑیوں کو انسانیت کا خون پینے کی کھلی چھٹی ہے، سکھ کا سانس لیتی اور دور حاضر کے فرعونوں کے خوف وہراس سے آزاد ہو کر اپنی آنکھوں سے دیکھ لیتی کہ

چڑھتی ہے جب فقر کی سان پر تیغ خودی ایک سپاہی کی ضرب کرتی ہے کارِ سپاہ (حکیم الامت)

ہمارے حکمران 'جذبہ جہاد' سے سرشار ہونے کے بجائے اس سے بیزار ہیں۔ انھوں نے قوم کو عیاشی و فحاشی کی ڈگر پر چلا دیا ہے۔ پاکستان کے اسلامی تشخص کو مٹا کر اسے عملاً ایک سیکولر سٹیٹ بنانے کے لئے کوشاں ہیں۔ دین کے یہ دشمن اپنی رعایا کو بے دین یا لادین بنانے پر تلے ہوئے ہیں۔ انھیں اللہ کا ڈر نہیں، شیطان کا خوف کھائے جا رہا ہے۔ انھیں خدا اور رسول ﷺ کی رضا سے نہیں، امریکہ، نام نہاد اسرائیل اور بھارت کی رضا سے عشق ہے۔ غضب یہ کہ شامت اعمال جب آفات سماوی کے روپ میں سامنے آتی ہے تو بھی ان کے کان پر جوں نہیں رینگتی اور دل کچھ نرم ہو کر توبہ کی طرف مائل نہیں ہوتا۔ نتیجہ یہ ہے کہ قوم روز بروز قعر مذلت میں گر رہی ہے اور عزت و وقار سے محروم ہوتی جا رہی ہے۔ کاش ہم دین حق کے سپاہی ہوتے اور اللہ جل مجدہ کے توکل پر دنیا کی بڑی سے بڑی طاقت کا مقابلہ کرنے سے بھی نہ گھبراتے۔ مگر ہمارا حال یہ ہے جس ذات پاک سے ڈرنا چاہیے، اس سے بے خوف ہیں اور جس سے لڑنا چاہئے اس کے خوف سے لرزاں و ترساں ہیں۔ اسی پس منظر میں ہم غزوہ خندق کے چند گوشوں کا ذکر کرتے ہیں جس سے چشم بینا اور قلب بیدار کے لئے کئی اسباق ہیں۔

**افواج قاہرہ اور اہل ایمان:** یہودیوں کے قبیلے بنی نضیر کو عہد شکنی اور بدترین شرانگیزی کی بنا پر مدینہ منورہ سے جلاوطن کیا گیا تو وہ خیبر میں جا کر آباد ہو گیا تھا۔ اس احسان کا کہ انھیں بدترین سازش و شرارت کے باوجود صرف بلکہ کچھ سامان بھی ساتھ لے جانے کی اجازت دی گئی تھی، انھوں نے یہ بدلا دیا کہ پہلے قریش کے پاس جا کر انھیں مدینہ منورہ پر چڑھ دوڑنے کے لئے مزید ہموار کیا اور پھر دوسرے قبائل کو بھی شریک جنگ ہونے پر آمادہ کر لیا۔ یوں مختلف قوموں اور قبیلوں کا یہ لشکر جرار جو ایک روایت کے مطابق چوبیس ہزار جنگجوؤں پر مشتمل تھا، اسلام کی شمع کو معاذ اللہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے گل کرنے کے لئے مدینہ منورہ کی طرف رواں دواں ہوا۔ بنی خزاعہ نے ان کی جنگی تیاریوں کی مفصل رپورٹ بارگاہ رسالت میں پہنچا دی۔ حضور پرنور ﷺ نے مشاورت طلب فرمائی تو حضرت سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی رائے کے مطابق خندق کھود کر دشمنوں کو مدینہ منورہ سے باہر روکنے کا فیصلہ طے ہوا۔

اس موقع پر نہایت ہی قابل ذکر فرق اہل ایمان اور منافقین کی نفسیات کا ہے۔ مومنین اتنے بڑے لاؤ لشکر کی خبر سن کر مطلقاً نہیں گھبرائے بلکہ ان کے ایمان میں مزید پختگی آ گئی۔ البتہ منافقین کا برا حال تھا۔ انھیں اللہ اور اس کے رسول مکرم ﷺ کے وعدوں پر چونکہ ایمان نہیں تھا، اس لئے موت سے پہلے ہی بری طرح مرے جا رہے تھے۔ دونوں فریقوں میں یہ فرق وہ ہے جو شروع سے آخر تک رہا بلکہ لحہ بہ لحہ نمایاں تر ہوتا گیا بالخصوص کفار جب اپنے کروفر اور لشکر جرار کے ساتھ پہنچ گئے تو مسلمانوں کا کیا حال تھا۔ قرآن پاک نے ان کی وفاداری اور ایمان و عشق پر مہر تصدیق یوں ثبت فرمائی

**ولما را المو منون الا حز اب قالو ا هذا ما وعد نا الله ورسوله وصدق الله و رسوله وما زاد هم الا ايمانا و تسليما٥** (الاحزاب۔۲۲)

ترجمہ: اور جب مسلمانوں نے کافروں کے لشکر دیکھے، بولے یہ ہے وہ جو ہمیں وعدہ دیا تھا اللہ اور اس کے رسول نے اور سچ فرمایا اللہ اور اس کے رسول نے اور اس سے انہیں نہ بڑھا مگر ایمان اور اللہ کی رضا پر راضی ہونا۔

اس سے قبل امتحان کی سختی کے بارے میں خود فرمایا

ھنا لک ابتلی المومنون و زلز لو ا زلزالا شدیداo (الاحزاب:۱۱)

ترجمہ: وہ جگہ تھی کہ مسلمانوں کی جانچ ہوئی اور خوب سختی سے جھنجوڑے گئے

اس کے برعکس منافقین کا ردعمل کیا تھا یہاں صرف ایک آیت درج کی جاتی ہے

واذیقول المنفقون والذین فی قلو بھم مر ض ما وعد نا اللہ و رسولہ الا غرورا o (الاحزاب۔۱۲)

ترجمہ: اور جب کہنے لگے منافق اور جن کے دلوں میں روگ تھا ہمیں اللہ اور رسول نے وعدہ نہیں دیا مگر فریب کا

محبوب خدا علیہ التحیۃ والثناء کے عاشقان صادق حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا جذبہ ایمان رنگ لایا اور آخر کار اللہ نے خصوصی نصرت آسمانی وفضائی سے نواز کر انھیں سرخرو فرمایا

یا یھا الذین امنوا اذکروا نعمۃ اللہ علیکم ا ذ جاء تکم جنود فا رسلنا علیھم ریحا و جنو دا لم تر وھا وکا ن اللہ بما تعملون بصیراًo (الاحزاب۔۹)

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ کا احسان اپنے اوپر یاد کرو، جب تم پر کچھ لشکر آئے تو ہم نے ان پر آندھی اور وہ لشکر بھیجے جو تمہیں نظر نہ آئے اور اللہ تمھارے کام دیکھتا ہے

تفصیل تو آگے آئے گی، مختصر یہ کہ ٹھنڈی ہوا کے چلنے اور فرشتوں کے اترنے سے کفار میدان جنگ سے بھاگ نکلے تو بھی منافقین خوف وہراس سے پاگل ہو رہے تھے ان کی ذہنیت کا پردہ قرآن پاک نے یوں چاک فرمایا ہے

یحسبون الا حزاب لم یذھبوا وان یات الاحزاب یو دوا لو انھم با دون فی الا عراب یسالون عن انباء کم ولو کانوا فیکم ما قتلوا الا قلیلا o (الاحزاب۔۲۰)

ترجمہ: وہ سمجھ رہے ہیں کہ کافروں کے لشکر ابھی نہ گئے اور اگر لشکر دوبارہ آئیں تو ان کی خواہش ہوگی کہ کسی طرح گاؤں میں نکل کر تمھاری خبریں پوچھتے اور اگر وہ تم میں رہتے جب بھی نہ لڑتے مگر تھوڑے۔

غور فرمایئے اگر توحید انسان کو ماسوئی کے خوف سے آزاد کر دیتی ہے اور ایمان کی قوت سے وہ بڑے سے بڑے فرعون کو بھی خاطر میں نہیں لاتا تو اس کے مقابلے میں بے یقینی اسے ایسے حالات سے دوچار کر دیتی ہے جہاں وہ گویا ہر وقت گومگو کی کیفیت ہی میں نہیں رہتا بلکہ اس سے امید و آرزو کا سلسلہ منقطع کر کے اسے یاس وہراس میں مبتلا کیے رکھتی ہے۔اسی لئے حضرت اقبال علیہ الرحمہ نے اس کو سب سے بڑی لعنت قرار دیا ہے

یقیں مثل خلیل علیہ السلام آتش نشینی　　یقیں، اللہ مستی ، خود گزینی
سن، اے تہذیب حاضر کے گرفتار　　غلامی سے بدتر ہے بے یقینی

لہذا اسلام اور ایمان کا کوئی اور فائدہ کسی کی سمجھ میں آئے نہ آئے، کیا یہی کم ہے کہ انسان ہجوم آفات وبلیات میں بھی مطمئن اور پرسکون رہتا ہے اور کسی موقعے پر بھی زندگی سے نفرت نہیں کرتا، بلکہ یہی قوت ایمانی ہے جس سے اس کی زندگی (worth living) ہو جاتی ہے، اور جب اللہ کے نام پر اسے قربان کرنے کا وقت آجائے تو اس کے سکون وسرور میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے اور ہنسی خوشی ہی شہادت قبول نہیں کرتا بلکہ یہی اس کا مطمح نظر بن جاتی ہے۔اللہ اللہ! حسن یقین اسے کتنا بلند وبالا کر دیتا ہے کہ موت بھی اسے چھو نہیں سکتی۔

لحد میں بھی یہی غیب وحضور رہتا ہے　　اگر ہو زندہ تو دل ناصبور رہتا ہے

مہ وستارہ،مثال شرارہ یک دونفس — مئے خودی کا ابد تک سرور رہتا ہے

فرشتہ موت کا چھوتا ہے گو بدن تیرا — ترے وجود کے مرکز سے دور رہتا ہے

محبوبانِ خدا انبیاء ومرسلین علیہم السلام یا اولیاء وشہدا علیہم الرضوان سب کے حالات وواقعات اسی نکتۂ ایمان کی تفسیریں ہیں۔ چنانچہ غزوہ بدر ہو کہ معرکہ احد، ہر کہیں ایمان ویقین کے تابندہ مظاہر بھی نظر آئیں گے اور اس کے برعکس کفر ونفاق کے تاریک اثرات بھی۔ آیئے اب اپنے موضوع غزوہ خندق کی طرف اور مطالعہ کریں کہ اس میں خدا کے محبوب اعظم ﷺ کے اہل بیت اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے صبر وشکر اور سکون و اطمینان کی کیا کیفیت تھی اور مدینہ منورہ کے کم نظر اور پست ہمت منافقین کا کیا طرز فکر وعمل تھا۔

**خندق کی کھدائی:** جس طرف سے دشمنوں کی آمد کا امکان تھا ادھر خندق کے نشانات لگا کر مختلف حضرات کو کھدائی پر متعین فرما دیا گیا۔ ہر دس آدمی کو چالیس گز خندق جو پانچ گز گہری اور پانچ گز چوڑی کھودنے کا فریضہ سونپا گیا۔ ساری کائنات کے والی ومختار حضور سید ابرار ﷺ خود اپنے غلاموں کے ساتھ مصروف کار تھے۔ روایات کے مطابق شکم مبارک کے بال مبارک مٹی سے اٹ گئے تھے اور اس مقدس گرد وغبار نے جسم اقدس کی جلد مبارک کو ڈھانپ لیا تھا۔ اللہ کے محبوب اعظم ﷺ اپنے عاشقان بلند ہمت رضی اللہ عنہم کو دیکھ دیکھ کر خوش ہو رہے تھے۔ کون ہے جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اس کیف وسرور کا اندازہ کر سکے جو انھیں محبوب گدا نواز ﷺ کی اس مبارک دعا سے حاصل ہو رہا تھا

**اللھم ان العیش عیش الا خرۃ — فاغفر الا نصار و المھا جرۃ**

ترجمہ: بیشک اصل زندگی تو آخرت کی زندگی ہے [1]۔ (میرے اللہ!) انصار ومہاجرین کی مغفرت فرما۔

اس صدائے دلنواز سے صحابہ کرام علیہم الرضوان پر اور بھی سرمستی چھا جاتی تھی اور وہ بیک زبان اپنے عشق وایمان کا اظہار یوں کرتے تھے

**نحن الذین بایعوا محمد ا — علی الجھاد ما بقینا ابدا**

ترجمہ: ہم وہ (وفا سرشت) ہیں جو حضور محمد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کے دست حق پرست پر بیعت ہو چکے ہیں (یا بک چکے ہیں) کہ جب تک زندہ رہیں گے جہاد سے منہ نہیں موڑیں گے۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق حضور جان نور ﷺ خندق کھودتے اور مٹی اٹھا اٹھا کر پھینکتے تھے، پھر اس موقع پر کبھی نہایت ہی دلنواز لہجے میں اپنے ایک جاں نثار جناب حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے یہ اشعار بھی پڑھتے تھے

**واللہ لو لا اللہ ما اھتد ینا (۱) ولا تصدقنا ولا صدقنا**

**فانزلن سکینۃ علینا (۲) وثبت الا قد ام ان لا بقینا**

**ان الا و لیٰ قد بغوا علینا (۳) اذا ارا دو ا فتنۃ ابینا**

ترجمہ: ۱۔ اللہ کی قسم! اگر اللہ کا فضل وکرم نہ ہوتا تو ہم ہدایت نہ پاتے اور نہ صدقہ دیتے اور نہ نماز پڑھتے

۲۔ لہٰذا اے اللہ! تو ہم پر سکون واطمینان اتار دے اور جنگ میں ہمیں ثابت قدم رکھ

۳۔ یقیناً ان (کافروں) نے ہم پر ظلم کیا اور جب بھی انھوں نے فتنے کا ارادہ کیا، ہم نے (صاف) انکار کر دیا

---

[1]: یہ ہے انقلاب مصطفوی (علیٰ صاحبہ الصلوۃ والسلام) کا ایک بنیادی تصور، یعنی یہ اصل زندگی دنیوی زندگی نہیں بلکہ آخرت کی زندگی ہے لہٰذا یہاں کا دکھ سکھ، عزت وذلت، کامیابی و ناکامی سب عارضی ہے، انسان کو اگلی زندگی ملحوظ رکھنی چاہیے آج بھی اقبال علیہ الرحمہ کے بقول وہی امام برحق ہے جو قوم کو اس جذبے سے سرشار کر دے

ے ہے وہی تیرے زمانے کا امام برحق — جو تجھے حاضر وموجود سے بیزار کرے

موت کے آئینے میں تجھ کو دکھا کر رخ دوست — زندگی تیرے لئے اور بھی دشوار کرے

اس مبارک موقع پر حضور ہادی سبل صلے اللہ علیہ وسلم ابینا ابینا بلند آواز سے بار بار فرماتے تھے بعض روایات کے مطابق حضور پرنور ﷺ نے دست مبارک سے پہلی بار جب کدال زمین پر ماری تو یہ کلمات مبارکہ زبان مبارک پر جاری ہوئے

بسم اللہ و بہ بدینا ولو عبدنا غیرہ شقینا

حبذا ربا و حبذا دینا (فتح الباری ج ۷)

ترجمہ: اللہ کے نام سے اور اسی کے بھروسے پر شروع کرتے ہیں۔ اگر اس کے سوا کسی اور کی عبادت کرتے تو بدنصیب ہوتے۔ وہ کیا ہی اچھا رب ہے اور اس کا دین کیا ہی اچھا ہے

تین چار میل لمبی یہ خندق جس میں بعض مقامات پر زمین کی تری بھی آگئی تھی، چھ دن میں مکمل ہوگئی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے صبر و ہمت پر قربان جنھوں نے تین تین دن تک کچھ نہ کھا کر بھی اسے نہایت ہی تیزی سے پایہ تکمیل تک پہنچایا۔

**محبوب خدا علیہ التحیۃ والثنا کی برکات:** یوں تو ساری مخلوق حضور رحمۃ للعلمین ﷺ کی روز اول سے مہمان ہے کہ اللہ نے انھیں ہر نعمت و دولت کا قاسم و خازن بنایا ہے۔ مگر یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو اپنی ساری متاع حیات اس محبوب دلنواز ﷺ کے ایک ایک اشارہ ابرو پر بصد ذوق و شوق قربان کرنے کے لئے ہمہ وقت تیار رہتے تھے، ان کا اور ہی مقام تھا۔ سچ پوچھو تو ان کا سب سے بڑا انعام یہی کمال حلاوت ایمان' یہی صبر و شکر اور یہی کیف و سرور تھا۔ عشق رسول ﷺ نے انھیں اس خاکدان ہستی، اس عالم رنگ و بو، اس دنیائے شام و سحر اور تصورات سود و زیاں سے ہی وراء الورا کر دیا تھا ان نفوس قدسی پر فرشتوں کا تقدس قربان ہو جاتا تھا اور ان کی رفعت پرواز پر مکینان عالم بالا حیرت زدہ تھے۔ حکیم الامت مرد مومن کی شان میں فرمایا ہے

ہاتھ ہے اللہ کا بندہ مومن کا ہاتھ غالب وکار آفرین ،کارکشا،کارساز

خاکی ونوری نہاد، بندۂ مولا صفات ہر دو جہاں سے غنی ،اس کا دلِ بے نیاز

یوں سمجھئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور پرنور ﷺ کے فیض صحبت سے اس مقام کی انتہا پر تھے۔ انھیں ضرور بھوک لگتی تھی اور یہ تقاضائے بشریت ہی نہیں تھا بلکہ تسلیم و رضا کا امتحان بھی تو اسی صورت میں ممکن تھا۔ ( کیونکہ اگر بھوک نہ لگتی تو صرف فرشتوں تک پہنچتے مگر ان کی منزل تو کہیں آگے تھی لہذا بھوک لگنے اور پھر اسے برداشت کرنے ہی سے انھیں فوقیت حاصل ہونا تھی اور اسی صورت میں انھیں بعد والوں کے لئے 'مثالی' بننا تھا) چنانچہ اس کا مظاہرہ نہایت آب و تاب سے غزوہ خندق کے موقع پر ہوا۔ خندق کھودتے جا رہے ہیں، کیف و سرور میں ڈوب کر جان حسن و خوبی حضور اصل نور ﷺ کے دیدار کے مزے لوٹ رہے ہیں اور از حد والہانہ انداز میں اپنی وابستگی و عشق و مستی کا اعلان کئے جا رہے ہیں۔ محبوب خدا تاجدار لولاک لما علیہ التحیۃ والثناء ان کے کام کی نگرانی ہی نہیں فرما رہے بلکہ خود کدال لئے ان کے ساتھ کھدائی میں مصروف ہیں کہ شکم اقدس سے کپڑا کچھ سرکتا ہے تو اس پر دو پتھر بندھے نظر آتے ہیں۔ اس صورت حال سے عاشقان وفا پیشہ جو خود تین دن سے بھوکے تھے اور پیٹ پر ایک ایک پتھر باندھے ہوئے تھے مضطرب ہو جاتے ہیں۔

**حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی دعوت:** حضرت جابر رضی اللہ عنہ اس صورت حال کی تاب نہیں لاتے، اجازت لے کر گھر جاتے ہیں۔ گھر میں موجود چند سیر جو ہیں اور ایک بکری کا بچہ۔ چند آدمیوں کے کھانے کا اہتمام کر کے حضور پرنور ﷺ کی بارگاہ اقدس میں اپنے ہاں تشریف لے جانے کی درخواست کرتے ہیں۔ نیز ایک دو مزید ساتھیوں کی گنجائش کا اظہار بھی کرتے ہیں۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا ''دیکھو میرے آنے

سے پہلے ہنڈیا نیچے نہ اتارنا اور نہ روٹیاں پکانا۔' پھر خود ہی اس پیکر عطا و سخا ﷺ نے بلند آواز سے اعلان فرمایا 'اے خندق والو! جابر رضی اللہ عنہ نے تمھارے لئے کھانا پکایا، آؤ سب کھاؤ'۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کثرت افراد اور قلت طعام پر پریشان ہیں تو زوجہ محترمہ فرماتی ہیں 'اگر دعوت حضور پرنور ﷺ نے خود دی ہے تو گھبرانے کی ضرورت نہیں، چنانچہ شہنشاہ ارض وسما ﷺ تشریف فرما ہوتے ہی آٹے اور ہنڈیا میں لعاب دہن شریف ڈالتے ہیں اور روٹیاں پکانے کا حکم صادر فرماتے ہیں۔ دس دس آدمیوں کو بلا کر ضیافت ہو رہی ہے اور یوں باری باری ایک ہزار نفوس نے کھانا کھایا مگر ہنڈیا میں کمی آئی نہ آٹے میں۔ پھر حضور ﷺ نے فرمایا 'اب خود بھی کھاؤ اور رشتہ داروں اور دوستوں کو بھی تحفہ بھیجو (کہ یہ سب قحط سالی کا شکار ہیں۔) دیر تک تقسیم جاری رہی' پھر رحمت عالم ﷺ تشریف لے گئے تو ہر چیز بھی ختم ہو گئی (بخاری و مسلم)

**دوسری دعوت:** اسی دوران ایک روز حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کی ہمشیرہ ان کی والدہ ماجدہ کی طرف سے کھجوروں کا ایک ڈونگا اپنے باپ اور ماموں حضرت عبداللہ بن رواحہ (رضی اللہ عنہم) کے لئے لاتی ہیں۔ حضور پرنور ﷺ نے وہ کھجوریں بچی سے لے کر ایک چادر پر بکھیر دیں اور بلند آواز سے اعلان کرا دیا کہ سب اہل خندق کھانے کے لئے آ جائیں۔ چنانچہ سب نے سیر ہو کر کھایا مگر کھجوریں بڑھتی ہی گئیں

**تیسری دعوت:** ایک دن حضرت ام عامر اشہلیہ رضی اللہ عنہا نے ایک برتن میں ایک قسم کا حلوہ ڈال کر سرور دارین علیہ الصلوۃ والسلام کی بارگاہ بیکس پناہ میں بھیجا تو اندر خیمے میں حضرت ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے اپنی مرضی کے مطابق تناول فرما لیا تو باقی کا حضور پرنور ﷺ نے باہر لا کر اعلان کرا دیا کہ لشکر والے رات کا کھانا حضور ﷺ کے ہاں کھائیں۔ سب نے خوب سیر ہو کر کھایا مگر حلوے میں کوئی کمی نہ آئی۔

کیا اس قسم کے واقعات اس ایمان افروز حقیقت کی توضیح کے لئے کافی نہیں کہ انسانیت دامن رحمت عالم ﷺ سے وابستہ ہو جائے تو بھوک کا مسئلہ ہی نہیں، سب مسائل حل ہو جاتے ہیں۔ ہم اہل پاکستان کو غیر مسلموں کے ہاں قومی عزت و وقار بیچ کر منہ مانگے سود پر قرض حاصل کرنا دو جہان کا وبال ہے مگر افسوس عقل عیار، کے بچھائے ہوئے جال بڑے خوبصورت ہیں۔ جو ہم پر حقیقت حال کھلنے نہیں دیتے۔ آیئے محبوب خدا علیہ التحیۃ والثنا کے آگے جھولی پھیلا کر دین بھی مانگیں، دنیا بھی' ایمان بھی مانگیں، سامان بھی، باغ جنت بھی مانگیں، دنیوی شوکت بھی، عرش معلیٰ سے یہی آواز آ رہی ہے، کاش اس پر کان دھر سکیں

عقل ہے تیری سپر، عشق ہے شمشیر تری — مرے درویش! خلافت ہے جہانگیر تری
ماسوی اللہ کے لئے آگ ہے تکبیر تری — تو مسلمان ہو تو تقدیر ہے تدبیر تری
کی محمد ﷺ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں — یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

خندق بھی تو ایک تدبیر ہی تھی مگر دیکھو اس کی برکت کہ کفار کے ناپاک عزائم کو اس نے خاک میں ملا کے رکھ دیا اور تقدیر نے انھیں ذلت و رسوائی کے سوا کچھ نہ دیا۔ مگر یہ تو محبوب خدا علیہ التحیۃ والثناء کے غلاموں کی تدبیر تھی، دوسری طرف اسلام اور اہل اسلام کو معاذ اللہ نیست و نابود کرنے کے لئے عرب بھر کے شعوب و قبائل کو متحد و منظم کرنا بھی ایک تدبیر تھی مگر کن کی دشمنان مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کی، جو نتیجہ نکلا ظاہر ہے اور پھر آخر کار بنی قریظہ کو بھی شامل شیطنت کرنا اس ناپاک تدبیر کو حتمی طور پر کامیاب کرنے ہی کی غرض سے تھا مگر پھر بھی

ع — الٹی ہو گئیں سب تدبیریں کچھ نہ دوا نے کام کیا'

غور کریں تو رحمۃ للعلمین ﷺ کی رحمت عامہ کا ظہور اس خندق کی صورت میں بھی خوب ہوا۔ کفار کینہ توز کا مقصد تھا اہل ایمان کو معاذ اللہ تہس نہس کرنا اور ان کی کثر دم صفت (یعنی بچھو مارکہ) فطرت کا تقاضا ایسی ہی منصوبہ بندی تھی مگر رحمت عالم ﷺ کا مقصد تھا پوری انسانیت کی

حفاظت، اپنوں کا دفاع ہی نہیں، دشمنوں کا تحفظ بھی۔ چنانچہ خندق نے ان کا خون بہنے دیا نہ اُن کا۔ ہلاکت خیزی کی اتنی بڑی شیطانی سازش کے برعکس مسلمانوں سے صرف چھ یا آٹھ صحابہ رضی اللہ عنہم شہید ہوئے اور کفار کے صرف تین افراد فنافی النار۔ اسی قسم کے واقعات کو سامنے رکھ کر جارج برنارڈ شا جیسے عیسائی فلسفی نے حضور پرنور ﷺ کو Saviour of humanity (یعنی انسانیت کا محافظ) کہا ہے۔

**قصہ ایک چٹان کا:** کھدائی کے دوران ایک چٹان نہایت سخت تھی۔ حضرت سیدنا سلمان رضی اللہ عنہ نے حضور فریادرس کون ومکاں ﷺ کی بارگاہ میں اسے توڑنے میں اپنی بے بسی کی شکایت کی تو حضور پرنور ﷺ نے خود گینتی پکڑی اور اللہ اکبر کا نعرہ لگا کر اس پر ضرب لگائی۔ روشنی ہوئی اور اس کا تیسرا حصہ ٹوٹ کر الگ جا گرا۔ محبوب خدا علیہ التحیۃ والثناء نے فرمایا............ **اللــه اکبـر اعـطيت مفا تيح الشام** (مجھے ملک شام کی چابیاں دے دی گئیں) دوسری ضرب پر اس طرح روشنی کے ساتھ دوسرا حصہ ٹوٹ گیا تو فرمایا اللہ اکبر اعطیت مفاتیح فارس (مجھے ایران کی کنجیاں بخش دی گئیں) تیسری ضرب سے اسی طرح باقی چٹان بھی ریزہ ریزہ ہوگئی تو فرمایا **اللـه اكبر اعطيت مفا تيح اليمن** (مجھے یمن کی چابیاں عطا کی گئیں) گویا ان تین ضربوں سے چٹان ہی نہیں ٹوٹی، تین ممالک کی فتح کا مژدہ سنا گیا (دوسرے الفاظ میں مجھے دیئے جانے سے مراد ہے امت کو عطا کی گئیں چنانچہ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے دور میں یہ ملک فتح ہوئے جس سے ان کی خلافت راشدہ کی حقانیت واضح ہوگئی)

**منافقین کا طرز فکر:** صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی نے بھی اس مژدہ جانفزا پر شک وشبہ کا اظہار نہیں کیا البتہ منافقین نے بڑا زہریلا تبصرہ کیا چنانچہ ان کے الفاظ دیکھئے

> **الا تعجبون من محمد يمنيكم و يعد كم البا طل و يخبركم انه يبصر من يثرب قصور الحير ة و مد ائن كسـرى و انهـا تـفتـح لـكم و انتم انما تحفر ون الخند ق من الفر ق لا تستطيعون ان تبرز و** (ضیاء النبی جلد۴ بحوالہ السیر ۃ النبویہ از ابن کثیر)
>
> ترجمہ: کیا تم کو محمد (علیہ الصلو ۃ والسلام) کی ان باتوں سے تعجب نہیں ہوتا کہ وہ تمہیں امیدیں دلا رہا ہے اور جھوٹے وعدے کر رہا ہے کہ تم قیصر وکسریٰ کے ملکوں کو فتح کرو گے حالانکہ تم دشمن کے خوف سے خندقیں کھودنے پر مجبور ہو اور تم قضائے حاجت کے لئے باہر بھی نہیں جاسکتے۔

ازراہ کرم، بار بار ان الفاظ پر غور کیجئے اور فرمایئے کیا دور اول کے منافقین اور دور حاضر کے منافقین کے طرز فکر میں رتی بھر فرق ہے۔ ہاں اتنا فرق ضرور ہے کہ وہ اس قسم کے دعووں کا انکار تو کرتے تھے مگر اسے شرک سے تعبیر نہیں کرتے تھے۔ 'ترقی پسند' منافقین اس قسم کے دعویٰ کو شرک قرار دیتے ہیں اور اپنی بات کو مضبوط انداز میں پیش کرنے کے لئے آیات وروایات سے اسے 'مزین' بھی کرتے ہیں۔ یاد رہے فضائل رسول ﷺ کا انکار ہی کفر ونفاق کی اصل پہچان ہے اور قرآن وحدیث کے حوالے سے اس کا انکار کرنا تو 'ستم بالائے ستم' یا 'کفر بالائے کفر' ہے۔ (کیونکہ قرآن پاک کا تو مشن ہی اعلان فضل رسول اور رفعت ذکر حضور ﷺ ہے) پھر یہ بھی سوچیے حضور ﷺ کوئی دعویٰ فرمائیں اور بعض بدبختوں کے نزدیک مضمون دعویٰ ہی شرک ہو تو مشرک (معاذ اللہ) کون ہوگا۔

اس واقعے میں ممالک مذکورہ کی چابیوں کا جو ذکر ہے اس سے مراد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی فتوحات ہی ہیں، ورنہ حضور پرنور ﷺ کو تو سارے جہان کی چابیاں روز اول ہی عطا فرما دی گئی تھیں۔ میلاد شریف کی روایات ملاحظہ فرمائیں اور پھر آخری ایام کا ایک خطبہ مقدسہ جو صحیحین میں مذکور ہے، اس کے ایک جملے پر غور کریں، حضور ﷺ قسم کھا کر فرماتے ہیں۔

**وانی قد اعطیت مفاتیح خزائن الارض**

ترجمہ: اور مجھے زمین کے خزانوں کی چابیاں دی گئیں۔

غرض علم رسول کی بات ہو کہ اختیار رسول کی، شہود ومشاہدہ رسول کا ذکر ہو کہ حمایت واعانت رسول کا (ﷺ) منافق کے پاس 'انکار' کے سوا کچھ نہیں۔ یہ بغض کا بیمار ہے اور یہ مرض لا علاج ہے۔

**شیر خدا کی تیغ آزمائی:** ایک دن عرب کا مشہور شہسوار وجنگجو عمرو بن عبدود نے جو اکیلا ایک ہزار بہادروں کے برابر سمجھا جاتا تھا، ایک جگہ خندق کو نسبتاً تنگ دیکھ کر گھوڑے کو ایڑ لگائی اور دوسرے کنارے پہنچ کر للکارا **ھل من مبارز** (ہے کوئی میرے ساتھ مقابلہ کرنے والا)۔ شیر خدا و رسول سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ اپنے آقا ومولا ﷺ کی اجازت سے اس کے سامنے جا کھڑے ہوگئے اور فرمایا 'اے عبدوڈ کے بیٹے! میں نے تیرا یہ اعلان سنا ہوا ہے کہ اگر کوئی قریشی تجھ سے دو چیزوں کا مطالبہ کرے تو ان میں سے ایک ضرور مان لیتا ہے'۔ بولا ہاں ضرور' فرمایا 'میں تجھے اللہ' اس کے رسول ﷺ اور اسلام کی طرف بلاتا ہوں'۔ بولا' مجھے اس کی ضرورت نہیں'۔ پھر شیر خدا رضی اللہ عنہ نے فرمایا' آ اور میرے ساتھ مقابلہ کر'۔ بولا' تیرا باپ ابوطالب میرا دوست تھا۔ میں تجھے اپنی تلوار سے قتل نہیں کرنا چاہتا، آپ نے فرمایا' مجھے تیرا قتل بہت پسند ہے' یہ سن کر وہ غصہ سے پاگل ہوگیا' گھوڑے سے کودا، اس کی کونچیں کاٹ کر پنجہ آزمائی شروع کر دی۔ حضور ﷺ اپنے شیر کے لئے دعا فرما رہے تھے۔ دونوں لڑتے لڑتے گرد وغبار میں چھپ گئے۔ غبار چھٹا تو دنیا نے دیکھا کہ شیر خدا رضی اللہ عنہ اس پیکر غرور ونخوت کی چھاتی پر بیٹھا اس کا سر تن سے جدا کر رہا ہے۔ اگر چہ پہلے آپ کے رخ پرنور پر بھی زخم آ گیا تھا مگر اس کے بعد آپ کی تلوار اس کے فولادی خود اور زرہ کو چیرتی ہوئی دشمن خدا کے دو ٹکڑے کر کے زمین پر آ کر ہی رکی تھی۔

زرقانی شریف (ج ۲) کی روایت کے مطابق حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا اے علیؓ! آپ نے عمرو بن عبدود کی زرہ کیوں نہیں اتاری حالانکہ سارے عرب میں اس سے اچھی زرہ کوئی نہیں تھی۔ جواب دیا' اے عمر! ذوالفقار کے وار سے وہ زمین پر گرا تو اس کی شرمگاہ کھل گئی۔ اس لئے حیا کی وجہ سے میں نے منہ پھیر لیا۔

**حضرت عباد بن بشر رضی اللہ عنہ کا اعزاز:** ایک رات مشرکین کے سوار خندق کے گرد پھر کر کسی تنگ جگہ کی تلاش میں تھے کہ پار ہو کر اہل ایمان پر حملہ کر دیں۔ حضور ﷺ اپنے پہرہ دار حضرت عباد بن بشر کو کچھ ساتھی لے کر ابوسفیان اور اس کے ساتھی گھڑ سواروں کو روکنے کا حکم دیا چنانچہ مجاہدین کے تیروں کی بارش سے حملہ آور بدحواس ہو کر فرار ہوگئے۔ حضرت عباد تازہ رپورٹ لے کر حاضر ہوئے تو اللہ کے محبوب اعظم ﷺ پھر نماز میں مصروف ہوگئے تھے ام المومنین حضرت ام سلمہ فرماتی ہیں

**یرحم اللہ عباد بن بشر فانہ کان الزم اصحاب رسول اللہ ﷺ بقبتہ یحرسھا ابدا**

ترجمہ: اللہ تعالیٰ عباد پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے، یہ ہر وقت حضور ﷺ کے خیمے کے پاس رہتے تھے اور اس کا پہرہ دینے میں ذرا غفلت نہ کرتے تھے (ضیاء النبی ج ۴ ملخصاً)

**ملعون نوفل کا انجام:** ملعون نوفل بن عبداللہ حضور سرور کائنات جان حیات علیہ افضل الصلوات واکمل التسلیمات کو شہید کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ چنانچہ گھوڑے پر سوار ہو کر خندق کو پھاندنا چاہتا تھا کہ خندق ہی میں گر پڑا، گردن ٹوٹ گئی اور جہنم میں پہنچ گیا۔

ایک روایت کے مطابق اس نے اپنا مقابل طلب کیا تو سیدنا حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ اس پر بجلی کی طرح جھپٹے اور ایسی تلوار ماری کہ وہ دو ٹکڑے ہوگیا اور تلوار زین کو کاٹتی ہوئی گھوڑے کی کمر تک پہنچ گئی۔ لوگوں نے داد دی 'زبیر! تیری تلوار کی مثال نہیں (**یا ابا عبد اللہ**

مار اپنا مثل سیفک) فرمایا 'تلوار کی کیا حقیقت ہے اصل تو تلوار چلانے والی کلائی ہے ( واللہ ماھو السیف ولکنھا الساعد)

**رحمتہ للعلمین ﷺ اور دشمنوں کی لاشیں:** کفار نے عمرو بن عبدود اور نوفل کی لاشوں کی واپسی کیلئے دس دس ہزار درہم معاوضہ پیش کیا لیکن رحمتہ للعلمین ﷺ نے فرمایا

**لا نا کل ثمن الموتیٰ**

ترجمہ: ہم مردوں کو بیچ کر ان کی رقم نہیں کھایا کرتے اور ان کی لاشوں کو بلا معاوضہ واپس کر دیا (ضیاء النبی)

**حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کا خصوصی اعزاز:** علامہ عبدالمصطفیٰ اعظمی علیہ الرحمہ کتاب سیرت مصطفیٰ میں لکھتے ہیں

حضور ﷺ نے جنگ خندق کے موقع پر، جبکہ کفار مدینہ کا محاصرہ کئے ہوئے تھے اور کسی کے لئے شہر سے باہر نکلنا دشوار تھا، تین دفعہ ارشاد فرمایا کہ 'کون ہے جو کفار کی خبر لائے؟ تینوں مرتبہ زبیر بن العوام رضی اللہ تعالیٰ نے جو حضور ﷺ کی پھوپھی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے فرزند ہیں، یہ کہا کہ 'میں یا رسول اللہ (ﷺ) خبر لاؤں گا' حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی اس جاں نثاری سے خوش ہو کر تاجدار دو عالم ﷺ نے فرمایا

**لکل نبی حواری و ان حواری الز بیر** (بخاری ج ۲ ص ۵۹۰)

ترجمہ: ہر نبی کے لئے کوئی نہ کوئی حواری ہوتا ہے اور میرا حواری زبیر ہے (ترجمہ بتغیر لفظی۔ آسی)

اسی طرح حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو بارگاہ رسالت سے حواری کا خطاب ملا، جو کسی دوسرے صحابی کو نہیں ملا۔ (سیرت مصطفیٰ ﷺ ص ۲۶۴)

ایک روایت کے مطابق یہ خطاب آپ کو اس سے پہلے غزوہ احد میں بھی مل چکا تھا جیسا کہ گذشتہ قسط میں گزرا۔ غالباً اب کے یہ ارشاد دوبارہ فرمایا گیا۔

**بے مثال رسول ﷺ کی بے مثال پھوپھی رضی اللہ عنہا:** کفار کی اجتماعی یلغار کا منصوبہ جب انتہا کو پہنچ گیا تو یہودیوں کے پانچ پانچ یا دس دس آدمی بھی ٹولیوں کی صورت میں ان قلعوں کے اردگرد چکر لگانے لگے جہاں مسلم خواتین اور بچے ٹھہرے ہوئے تھے نبی کریم ﷺ کی پھوپھی حضرت سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا نے ایک یہودی کو مشکوک حالت میں اپنے قلعے کے اردگرد گھومتے دیکھا تو آپ نے خیال فرمایا کہ یہ یہودیوں کا جاسوس ہے، انھیں جا کے بتائے گا کہ یہاں کوئی پہرہ دار نہیں چنانچہ جب وہ قریب آیا تو آپ نے اس کے سر پر ایک شہتیر مار کر اس کا کام تمام کر دیا اور اس کا سر کاٹ کر یہودیوں کی طرف پھینک دیا۔ اس سے انھیں پہرہ داروں کی موجودگی کا یقین ہو گیا اور پھر انھیں حملہ کرنے کی جرات نہیں ہوئی

حضرت سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کی جرات و دلیری کا یہ ایمان افروز واقعہ پڑھ رہا تھا تو مجھے حضرت امام ربانی سیدنا مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ کا ایک جملہ یاد آ گیا۔ آپ حبیب یکتا حضور پرنور ﷺ کے مخصوص فضائل و کمالات بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔

بلے محبوب رب العلمین چنیں باید (دفتر سوم حصہ نہم مکتوب نمبر ۱۲۱)

ترجمہ: کیوں نہیں ہو رب العلمین کا محبوب ایسا ہی ہونا چاہئے

پھر میں کچھ دیر تک اس ایمان افروز واقعے سے کیف و سرور میں کھویا رہا اور دل بار بار کہتا رہا۔ واقعی بے مثل رسول ﷺ کی پھوپھی صاحبہ کو بھی بے مثل ہی ہونا چاہئے (رضی اللہ عنہا) اور ساتھ ہی یہ دعا کرتا رہا اے اللہ ارحم الراحمین حواری رسول ﷺ کی والدہ محترمہ اور شیر خدا و رسول سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کی ہمشیر مکرمہ حضرت سیدہ صفیہ بنت سیدنا عبدالمطلب رضی اللہ عنہا کے طفیل مجھ ایسے ناقص و ناکس سگ بارگاہ مرشد آسی کو بھی غیرت ایمان کی کوئی جھلک اور ذرۂ عشق کی کوئی چمک عطا فرما دے، آمین۔ افسوس ہمیں تو مانگنا ہی نہیں آتا ورنہ اس مقدس خاتون رضی اللہ

عنہا کا صدقہ تو ساری ملت سے خوف و ہراس اور نحبت وذلت کے منحوس سائے دور کرنے کیلئے کافی ہے۔

**آسمانی لشکر اور ہوائے تند:** اس تحریر کی ابتدا میں سورہ احزاب کی آیت نمبر ۹ درج ہے۔اس کا ترجمہ پھر ملاحظہ فرمالیجئے۔

''اے ایمان والو! اللہ کا احسان اپنے اوپر یاد کرو، جب تم پر کچھ لشکر آئے، تو ہم نے ان پر آندھی اور وہ لشکر بھیجے جو تمہیں نظر نہ آئے اور اللہ تمھارے کام دیکھتا ہے''

چنانچہ حضور ﷺ نے دعا فرمائی

**اللھم منزل الکتا ب و سریع الحساب اھزم الا حزاب اللھم اھز مھم و زلزلھم** (بخاری، کتاب الجہاد)

ترجمہ: اے اللہ کتاب نازل فرمانے والے جلد، حساب لینے والے، تو ان کفار کے لشکروں کو شکست دے دے، اے اللہ انھیں شکست دے اور ہلا کے رکھ دے

اللہ تعالیٰ نے دعا قبول فرمائی اور قریش وغطفاان پر سخت آندھی مسلط کردی جس سے ان کے خیمے اکھڑ گئے، رسیاں اور طنابیں ٹوٹ گئیں، ہڈیاں الٹ گئیں ک گردوغبار سے آنکھیں اٹ گئیں اور کفار بدحواس وسراسیمہ ہوکر بھاگنے لگے

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کو قریش کی خبر لانے کا حکم ہوا تو عرض کی کہیں پکڑا نہ جاؤں

**انک لن تو سر**

تو ہرگز پکڑا نہیں جائے گا

انھیں سخت سردی سے بھی ڈر آرہا تھا تو محبوب خدا علیہ التحیۃ وا لثناء نے یہ دعا بھی فرمائی

**اللھم احفظہ من بین ید یہ ومن خلفہ و عن یمینہ وعن شمالہ ومن فوقہ و من تحتہ**

ترجمہ: اے اللہ' اس کے آگے، پیچھے سے، دائیں، بائیں سے، اوپر نیچے سے اس کی حفاظت فرما۔

اس دعا کی برکت سے سارا خوف جاتا رہا بلکہ شدید سردی میں بھی آتے جاتے گرمی محسوس ہوتی تھی جیسے گرم حمام میں چل رہے ہوں۔ ساتھ ہی یہ بھی ارشاد ہوا کہ کوئی نئی بات نہ کرنا۔ان کے لشکر میں پہنچے تو ہوا کی تیزی کے سامنے کوئی چیز نہیں ٹھہرتی تھی اور تاریکی ایسی تھی کہ کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ یہ صورت حال تھی کہ ابوسفیان نے اعلان کردیا' اے گروہ قریش یہ ٹھہرنے کا مقام نہیں۔ ہمارے جانور ہلاک ہوگئے بنو قریظہ نے ساتھ چھوڑ دیا ہوا نے ایسا سراسیمہ و پریشان کردیا ہے کہ چلنا پھرنا تو کجا بیٹھنا بھی دشوار ہوگیا ہے۔بہتر ہے کہ فوراً لوٹ چلو'

ابوسفیان کی اپنی بدحواسی کا یہ عالم تھا کہ اونٹ پر سوار تو ہوا مگر اس کی رسی بھی کھونٹے سے کھولنا بھول گیا۔اب یاد آیا تو اسے تلوار سے کاٹا اور سرپٹ بھاگ نکلا۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے اسے تیر مارنا چاہا مگر سرکار دوعالم ﷺ کا کسی نئی بات سے منع فرمانا یاد آگیا۔آندھی کی شدت اور اس میں ابوسفیان کی نفسیاتی کیفیت کیا تھی، اس سلسلے میں شاہنامہ اسلام (ج ۴) کے چند متفرق اشعار ملاحظہ ہوں

رواں تھا ایک سیلاب عظیم الشان آندھی کا
اچانک آ پڑا تھا فوج پر طوفان آندھی کا

اڈتی ، دوڑتی ، اٹھتی ہوئی ، بڑھتی ہوئی آندھی
زمیں کو روندتی ، افلاک پر چڑھتی ہوئی آندھی

توے الٹے، اوندھیں چولھوں میں ہنڈیاں، بجھ گئیں آگیں
جھلس کر رہ گئے منہ اور کپڑوں میں لگیں آگیں

ابوسفیاں کا دل تھا اب ہول کے مارے
گنہ جتنے کئے تھے آ رہے تھے سامنے

خبیب رضی اللہ عنہما و زید دو اللہ کے بندے تھے تصور میں
ابوسفیان تھا اور پھانسی کے پھندے تھے تصور میں

ستم ڈھائے تھے جتنے بھی مسلمانوں کی جانوں پر
وہ آندھی بن کے چھائے تھے زمینوں آسمانوں پر

تصور میں ہوا محسوس اپنا سانس بند اس کو
تو اپنی ہی رگ گردن نظر آئی کمند اس کو

یہاں اب ایک ساعت بھی کھڑے رہنے میں خطرہ ہے
مری ہی جستجو میں ذرہ ذرہ، قطرہ قطرہ ہے

ضمیر جرم آلودہ کو تھا احساس تنہائی
ابوسفیان نے آخر بھاگ چلنے کی ہی ٹھہرائی

پکارا جو کوئی بھی سن رہا ہو غور سے سن لے
سپہ سالار کا اعلان پورے طور سے سن لے

یہاں اب ایک ساعت بیٹھنا بھی جان کھونا ہے
نتیجہ کچھ نہیں بے فائدہ برباد ہونا ہے،

قریشی قوم کے ہر فرد کو جا کر خبر کردو
اندھیرے میں گھروں کی راہ لو فوراً جوانمردو

بھلا اب کون رکتا کس میں باقی تھا یہ دل گردہ
قریشی فوج پہلے ہی سے تھی افسردہ و مردہ

اندھیری رات میں آندھی کے آگے سب کے سب بھاگے
وہ اس سے دس قدم آگے، یہ اس سے دس قدم آگے

اڑا کر لے گئی اندھوں کو آندھی اس اندھیرے میں
سحر تک خاک اڑتی رہ گئی باطل کے ڈیرے میں

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی رپورٹ کے مطابق یہ تندو تیز ہوا لشکر تک ہی محدود تھی، اس سے باہر نہیں جاتی تھی۔

اس وقت عجیب صورت حالات پیدا ہوگئی جب آپ لشکر کفار میں بیٹھے ہوئے تھے کہ کسی نے کہا 'خبردار! تمھارے پاس کوئی جاسوس آ گیا ہے لہذا ہر شخص اپنے ساتھ والے کا ہاتھ پکڑے'' حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فوراً اپنے پاس والے ایک آدمی کا ہاتھ پکڑ لیا اور پوچھا ''تم کون ہو؟ اس نے کہا سبحان اللہ! تم مجھے جانتے نہیں۔ میں فلاں ولد فلاں ہوں تو وہ بنی ہوازن کا آدمی نکلا۔ گویا حضور پرنور ﷺ کی دعا کی برکت تھی کہ آپ حاضر دماغی سے کام لے کر گرفت سے بچ گئے (دلائل النبوۃ، حافظ ابونعیم)

فرماتے ہیں، جب میں وہاں سے لوٹا تو راستے میں کچھ سوار دیکھے جنھوں نے مجھ سے کہا 'تم اپنے صاحب کو خبر کردو کہ اللہ نے مشرکین سے ہوا اور لشکروں سے کفایت کی''

حضرت ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ نے ابوسفیان اور اس کے لشکر کا آنکھوں دیکھا حال بارگاہ رسالت میں عرض کیا تو رحمت مجسم ﷺ خوشی سے ہنس پڑے حتیٰ کہ دندان مبارک کی سفیدی جلوہ گر ہوگئی۔

صبح سویرے مسلمانوں نے دیکھا کہ کفار و مشرکین کا وہاں نام و نشان تک بھی نہیں۔ اس موقع پر اللہ کے محبوب کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ خوشخبری سنائی

**الان نغز وهم ولا یغزوننا نحن نسیر الیهم**

ترجمہ: اب ہم ان پر حملہ کریں گے وہ ہم پر حملہ آور نہیں ہوسکیں گے۔ اب ہم ان کی طرف جائیں گے

**حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی غیرت عشق:** حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نہایت مختصر سی زرہ زیب تن کئے ہوئے تھے، دیکھنے والے تو اس کے خطرناک نتیجے سے گھبرا جاتے تھے مگر وہ عشق رسول ﷺ سے ایسے سرشار تھے کہ انھیں قطعاً احساس نہیں تھا۔ چنانچہ حبان

بن قیس العرقہ نے تاڑ کر تیر امارا جس سے بازو کی شہ رگ کٹ گئی۔ساتھ ہی بولا' **خذھا و انا ابن العرقہ** (یہ تیر لو میں عرقہ کا بیٹا ہوں) اس کے جواب میں خود محبوب دلنوازﷺ نے فرمایا **عرق اللہ وجھک فی النار** (اللہ تعالیٰ تیرے چہرے کو آگ میں عرق آلود کرے زخم خطرناک تھا، چنانچہ اس کی شدت محسوس کرتے ہوئے آپ نے غیرت عشق سے لبریز دعا فرمائی

اے اللہ! اگر قریش کے ساتھ مزید جنگ مقدور ہے تو پھر مجھے اس کے لئے زندہ رکھ کیونکہ اس قوم سے جنگ کرنا مجھے بہت پسند ہے جس نے تیرے رسول ﷺ کو ایذا پہنچائی، اسے اپنے وطن سے نکالا اور جھٹلایا۔اے اللہ! اگر یہ آخری جنگ ہے تو اس زخم کو میرے لئے شہادت کا سبب بنادے اور مجھے اس وقت تک موت نہ دے جب تک میری آنکھیں بنو قریظہ سے ٹھنڈی نہ ہو جائیں۔

(پیکر غیرت کی یہ دعا حرف بحرف پوری ہوئی اللہ کے پاک اور ہمہ دان نبی ﷺ نے بنی قریظہ کے بارے میں انھیں سے فیصلہ کرا کے ان کی آنکھیں ٹھنڈی کر دیں اور پھر شہید ہو گئے۔شہادت کا کچھ تفصیل سے ذکر انشاء اللہ آگے آئے گا)

**آخری بات اسوہ حسنہ:** قرآن پاک میں جس سورۃ میں اس غزوہ خندق یا غزوہ احزاب کا ذکر ہے، اس کا نام بھی اسی مناسبت سے سورۃ الاحزاب ہے۔اسی میں حضور پرنورﷺ کے بہت سے فضائل وکمالات کا اعلان بڑی وضاحت سے فرمایا گیا۔مثلاً حضور پرنورﷺ شاہد، مبشر، نذیر، داعی الی اللہ، سراج منیر، خاتم النبیین اور مومنوں کی جان سے بھی قریب و مالک ومحبوب ہیں۔آپ کی ازواج مطہرات مومنوں کی مائیں ہیں اور خواتین میں کسی کی شان ان کے برابر نہیں۔مومنوں کو ایمان کے حوالے سے حکم دیا گیا کہ نبی محترم پر صلوۃ وسلام پڑھتے رہیں۔انھیں فضائل کے ضمن میں یہ بھی اعلان فرمایا گیا

**لقد كان لكم في رسول الله اسوة حسنةلمن كان يرجوا الله واليوم الا خر و ذكر الله كثير ا o**

(الاحزاب۔۲۱)

ترجمہ: بیشک تمھاری رہنمائی کے لئے رسول اللہ (کی زندگی) میں بہترین نمونہ ہے' یہ نمونہ اس کے لئے ہے جو اللہ تعالیٰ سے ملنے اور قیامت کے آنے کی امید رکھتا ہے اور کثرت سے اللہ کو یاد کرتا ہے

گویا اللہ کے محبوب اعظم ﷺ بنی نوع انسان کے ہر فرد کے لئے بہترین نمونہ ہیں اور حضور پرنور ﷺ فضائل وکمالات کا ایسا حسین مجموعہ وسرچشمہ ہیں کہ زندگی کے کسی بھی شعبے سے تعلق رکھنے والا کوئی بھی انسان اگر خلوص سے کامیاب ترین زندگی گزارنا چاہتا ہے تو اس شہنشاہ عرش مکین وبوریا نشین ﷺ کے نقوش پائے مبارک سے روشنی حاصل کرے۔اللہ جل مجدہ کے حبیب اعظم ﷺ انوار رحمت کے پیکر جمیل، اسرار قدرت کے امین لاثانی اور ساری کائنات کے لئے منبع فیض وبرکت ہیں۔اس سورت میں اعلان ہونے کی بناپر خصوصیت سے دنیا بھر کے سپہ سالاروں کو ان سے رہنمائی حاصل کرنی چاہئے۔

ہم نہایت اختصار سے عرض کرتے ہیں کہ کامیاب سپہ سالار وہی ہوسکتا ہے جو اپنے اور دشمن کے حالات پر گہری نظر رکھتا ہو، مشکل ترین حالات میں بھی صبر وسکون سے محروم نہ ہو، اس کے سپاہی اس پر اعتماد ہی نہ کرتے ہوں بلکہ اس کی محبت میں ہر شے قربان کرنے کے لئے ہمہ تن اور ہمہ وقت تیار رہتے ہوں، مختلف مواقع پر ضرورت کے مطابق مختلف دفاعی حربے منصوبے اختیار کرنے کی صلاحیت سے مالا مال ہو، بندہ حق ہونے کے ناتے اگر چہ مخالفین کے سامنے جرات وبسالت کا ہمالہ ہو، مگر اس کا توکل اپنی ذات، کمالات یا فوج پر نہ ہو بلکہ اللہ قادر مطلق کی نصرت وحمایت پر ہو، اور وہ مخلوق خدا پر ایسا مہربان ہو کہ کم سے کم جانی ومالی نقصان سے زیادہ سے زیادہ کامیابی کے حصول کا متمنی ہو۔وغیرہ وغیرہ۔اگر ان اوصاف

وخصائص کو گویا جو اچھا سپہ سالار ہونے کے لئے شرائط کا درجہ رکھتے ہیں، دیکھا جائے تو تاریخ کے تمام کامیاب سپہ سالاروں کے اوصاف وکمالات کے مجموعے کو بھی محبوب خدا سرور انبیا علیہم السلام کے اوصاف وکمالات ان اوصاف وکمالات کے سامنے یوں نظر آئیں گے جیسے بحر زخار کے سامنے ایک حقیر سی بوند۔ ظاہر ہے حضور پرنور ﷺ کے یہ اوصاف وکمالات سید المرسلین ہونیکی حیثیت سے ہیں۔ بلکہ اب دوسرے سپہ سالاروں کی کامیابی کا راز ہی یہ ہے کہ وہ اس محبوب ومقصود ہستی ﷺ کے نمونہ سیرت کو پیش نظر رکھیں، چنانچہ جو جتنا اس پر چلے گا، اتنا ہی کامیاب ہوگا۔

سفر ہجرت کے دوران بظاہر انتہائی بے سروسامانی کے عالم میں تعاقب کرنے والے سراقہ بن مالک کو یہ خزائن الٰہیہ کی چابیاں رکھنے والا آقا (ﷺ) ایران کے کسریٰ کے سونے کے کنگن پہننے کی بشارت دیتا ہے تو خندق کے موقعے پر بھی ہزاروں کافروں کے اجتماعی لشکر کی آمد کی خبر سے بھی مطلق پریشان نہیں ہوتا بلکہ کدال چلاتے چلاتے بھی یمن، فارس اور شام کی فتوحات کی نوید سناتا ہے (کیا زمانہ گواہ نہیں جس کو جو نوید سنائی' پوری ہو کے رہی) اس سے بھی قابل غور وہ خط وکتابت ہے جو اس موقع پر ابوسفیان سے ہوئی۔ وہ لشکر جرار لے کر مدینہ منورہ کے قریب پہنچ گیا تھا، جب اس نے یہ خط ابواثامہ الجشمی کے ہاتھ بھیجا۔ یہاں صرف اردو ترجمہ دیا جاتا ہے

''اے اللہ تیرے نام کے ساتھ! لات وعزیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں آپ کی طرف ایک لشکر جرار لایا ہوں۔ ہم نے یہ پختہ ارادہ کرلیا ہے کہ ہم اس وقت تک واپس نہیں لوٹیں گے جب تک تمھاری جڑیں اکھاڑ کر نہ رکھ دیں۔ میں نے دیکھا ہے آپ نے ہمارے سامنے آنے کو برا سمجھا اور خندقیں کھود دی ہیں۔ بڑے تعجب کی بات ہے یہ چیز آپ کو کس نے سکھائی ہے۔ (سواب کے اگر ہم واپس چلے گئے تو بھی پھر آ کر احد کی یاد تازہ دیں گے

دیکھا عزم صمیم کے باوجود اگر مگر، جائیں گے اور پھر آئیں گے، گویا یقین کامیابی نہیں۔

اب اس کے جواب میں جان جمال ﷺ کا انداز جلال دیکھئے

**من محمد رسول اللہ الیٰ ابی سفیا ن بن حر ب اما بعد فقد یما غرک باللہ الغرور اما ذکر ت انک سرت الینا فی جمعکم وانک لا ترید ان تعود حتی تستا صلنا فذلک امر یحول اللہ بینک و بینہ ویجعل لنا العاقبۃ حتی لا تد کر اللات و العزی و اسا ف و نا ئلۃ و ھبل حتی اذکر ک ذلک یا سفیہ بنی غالب**

ترجمہ: یہ خط محمد رسول (ﷺ) کی طرف سے ابوسفیان بن حرب کے نام ہے۔ امابعد

بڑی مدت سے اللہ تعالیٰ کے بارے میں شیطان تجھے دھوکا دے رہا ہے اور یہ بات جو تو نے لکھی ہے کہ تم اپنا لشکر جرار لے کر ہماری طرف آئے ہو اور تم نے یہ پختہ ارادہ کرلیا ہے کہ اس وقت تک واپس نہیں جاؤ گے، جب تک ہمارا خاتمہ نہ کردو تو یہ ایسی بات ہے اللہ تعالیٰ تیرے درمیان اور اس کے درمیان خود حائل ہو جائے گا اور آخر فتح ہماری ہوگی۔ یہاں تک کہ لات وعزیٰ کو کوئی یاد نہیں کرے گا اور یقیناً وہ دن آئے گا جب میں لات، عزیٰ، اساف، نائلہ اور ہبل کو توڑ کر ریزہ ریزہ کروں گا اور اے خاندان بنی غالب کے احمق، میں تجھے اس روز یہ بات یاد کراؤں گا''۔

دیکھا آپ نے بڑے سے بڑا سپہ سالار بھی اس قسم کا یقین واعتماد کیونکر ظاہر کرسکتا ہے۔ اس میں خندق ہی میں ابوسفیان کی ناکامی ہی کی نہیں بلکہ فتح مکہ اور معبودان باطلہ کی شکست وریخت کی بلکہ ابوسفیان کی زندگی اور اس موقعے پر موجود ہونے کی پیشگوئی بھی ہے۔ ہاں ایسی بات وہی کرسکتا ہے جو ماضی ومستقبل سب کو ایک ہی وقت ملاحظہ فرما رہا ہو۔ سچ فرمایا حکیم الامت اقبال نے

شعور نبوت کو تو یہ امتیاز حاصل ہے کہ اس میں زمانے کی ساری وسعتیں سمٹ کر ایک نقطے پر آ جاتی ہیں' ماضی وحال

اور مستقبل کا امتیاز قائم نہیں رہتا۔لہذا ہمارے لئے جو بات آنے والی ہوتی ہے، شعور نبوت کو پہلے ہی سے اس کا علم ہوتا ہے' اس طرح جیسے اس کا ظہور ہو رہا ہو۔یہی وجہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام ہر حقیقت اور ہر صداقت کو اپنے سامنے عیاں دیکھتے ہیں اور یہی وجہ ہے وحی الٰہی میں ان کے یقین کامل کی۔(اقبال کے حضور۔ص ۶۲)

از راہ انصاف، یہ مشاہدہ جو نبی کو غیر نبی سے ممتاز کرتا ہے، اسی کا انکار کرنے والا منافق نہیں تو کیا ہے۔ پھر یہ بھی سوچئے سپہ سالاروں کے نمونہ ہونے کے لئے ضروری ہے کہ دنیا بھر کے سپہ سالاروں سے زیادہ جنگ کے تقاضوں کا علم رکھتا ہو، ورنہ تھوڑے علم والا بڑے علم والے کے لئے کیونکر نمونہ ہو سکتا ہے۔ یونہی جب اللہ کے حبیب اعظم ﷺ زندگی کے ہر شعبے سے تعلق رکھنے والے افراد کے لئے نمونہ ہیں تو اس کے لیے ضروری ہے کہ ہر شعبے کے ساتھ تعلق رکھنے والے علوم میں حضور ﷺ ایسے بلند مقام پر ہوں کہ کسی اور کو کسی اعتبار سے ان سے کوئی نسبت ہی نہ ہو ورنہ 'اسوۂ حسنہ' کے قرآنی اعلان کا کیا مفہوم رہ جائے گا۔غور کیجئے منافق جو بظاہر سنت سنت کا شور مچاتے اور 'اسوۂ حسنہ' کی رٹ لگاتے ہیں، دراصل 'اسوۂ حسنہ' کے مفہوم کو بھی نہیں سمجھتے۔

حضور ﷺ اللہ کا مظہر قدرت ہونے کے باوجود بار بار اللہ کی بارگاہ میں دعا و التجا کرنا اور رات بھر نماز میں مشغول رہنا اس لئے بھی تھا کہ امت جان رکھے کہ ہم اللہ کے نام پر بڑے سے بڑے دشمن کا مقابلہ کرنے کے لئے بھی تیار ہیں مگر ہمارا اصل بھروسا اپنی قوت اور ساز و سامان پر نہیں بلکہ اللہ کی نصرت و حمایت پر ہے۔اقبال فرماتے ہیں

در آسجدہ و یاری ز خسرواں مطلب ۔۔۔ کہ روز فقر نیاگان ما چنیں کردند!

اللہ کی طرف سے آسمان سے لشکروں کا آنا اور ہوائے تند و تیز کا چلنا اسی توکل و توحید کا ثمرہ ہے۔

یوں تو سپہ سالار کی کامیابی کے لئے جن اوصاف و خصائل کا ذکر اوپر آیا ہے۔غزوہ خندق پر ہی غور کر لیں تو آپ پکار اٹھیں گے، واقعی کسی وصف جمیل میں کسی کو بھی اللہ کے اس حبیب اعظم و اکرم ﷺ سے قطعاً کوئی نسبت نہیں، یہاں صرف ایک بات کر کے اس مضمون کو ختم کرتا ہوں وہ یہ کہ رحمۃ للعلمین ﷺ میدان جنگ میں بھی رحمۃ للعلمین ہے۔اپنے تو اپنے حضور ﷺ جان کے دشمنوں اور خون کے پیاسوں کا نقصان بھی برداشت نہیں کرتے۔شیطان کا مطمح نظر یہ ہے کہ انسان کو ورغلا کر آخر اسے کسی نہ کسی طرح جہنم پہنچا کر دم لے اور اس کے برعکس اللہ والوں کی اور بالخصوص حضور رحمۃ للعلمین ﷺ کا مشن یہ ہے کہ یہاں انسانوں کو کفر و شرک و نفاق سے بچایا جائے اور آخرت میں عذاب سے۔اللہ نے تمام بنی نوع انسان کو مخاطب کر کے فرمایا

**لقد جآ ء کم رسول من انفسکم عزیز علیه ما عنتم حریص علیکم با لمو منین روف رحیم** ۝ (التوبہ۔۱۲۸)

ترجمہ: بیشک تشریف لایا ہے تمھارے پاس ایک برگزیدہ رسول تم میں سے، گراں گزرتا ہے اس پر تمھارا مشقت میں پڑنا، بہت ہی خواہش مند ہے تمہاری بھلائی کا مومنوں کے ساتھ بڑی مہربانی فرمانے والا اور بہت رحم فرمانے والا ہے (ضیاء القرآن)

مفسرین کے نزدیک عزیز اور حریص کا مفہوم یہ ہے

**عز یز علیه ان تد خلوا النار و حریص علیکم ان تد خلوا الجنة**

(یعنی اے انسانو! تمھارا جہنم میں جانا ان پر گراں اور تمھارا جنت میں جانا انھیں مطلوب و محبوب ہے)

چنانچہ اوپر گزرا خندق کھودنے سے بھی حضور ﷺ کا مقصود اپنوں کا ہی نہیں دشمنوں کا تحفظ بھی تھا تا کہ فریقین کا کم سے کم جانی نقصان

ہو۔اب ایک اور بات سنئے جو مشہور مفسر علامہ ابن کثیر نے فرمائی ہے۔یعنی

''اللہ تعالیٰ نے اگر حضور ﷺ کو رحمۃ للعلمین بنا کر نہ بھیجا ہوتا تو یہ آندھی لشکر کفار کے ہر سپاہی کو ہلاک کر دیتی۔حضور ﷺ کی شان رحمۃ للعلمین کے طفیل کفار کو بھی عذاب الٰہی سے پناہ ملی (ضیاء النبی۔ج ۴)

سچ فرمایا اللہ کریم نے

**وما کان اللہ لیعذبھم وا نت فیھم (الانفال۔۳۳)**

ترجمہ:اور اللہ کا کام نہیں کہ ان پر عذاب کرے جب تک اے محبوب تم ان میں تشریف فرما ہو۔

جب دشمنوں پر ان کی نظر عنایت کا یہ عالم ہے تو وہ خوش نصیب غلام جن پر ان کی رافت ورحمت کے بادل ہر وقت برستے ہیں کیا کیا انعام نہ پاتے ہوں گے۔حقیقت ہے کہ ان کا ذوق وشوق، کیف وسرور اور جذبہ قربانی خود اسی محبوب دلنواز ﷺ کے خصوصی عطیات ہیں۔پھر ذرا سوچئے جس محبوب ومطلوب ﷺ کی یاد سے سارے غم دور ہو جاتے ہیں اور جس کے نام پاک سے ساری بلائیں ٹل جاتی ہیں وہ خود بنفس نفیس نظروں کے سامنے جلوہ گر ہو،تو کیا خطرہ اور کیسا کھٹکا۔ہاں ہاں امت کا معمول ہمیشہ سے یہی رہا ہے کہ ہر چھوٹی بڑی مشکل میں اللہ ارحم الراحمین کے ساتھ ساتھ اسی سرکار رحمۃ للعلمین ﷺ کی دہائی دیں بلکہ اس کی دہائی خود رب کی دہائی اور رب کو پکارنا اس کو پکارنا ہے جیسا کہ اس کی اطاعت رب کی اطاعت اور اس کی رضا خدا کی رضا ہے چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنھم عین گھمسان کے رن میں اس کے نام کے نعرے لگاتے اور جنگ کا پانسہ پلٹ جاتا نہیں بلکہ چھوٹی سے چھوٹی پریشانی مثلاً پاؤں کے سن ہونے کی صورت میں بھی اسی محبوب علیہ الصلوۃ والسلام کو یاد کرتے ہیں۔

چنانچہ آج بھی بچہ ماں کو اتنا یاد نہیں کرتا جتنا سچے غلامان رسول ﷺ اپنے آقا ومولا ﷺ کو یاد کرتے ہیں۔حضرت حکیم الامت فرماتے ہیں

دوپہر کی آگ میں وقت در و دہقان پر — ہے پسینے سے نمایاں مہرتاباں کا اثر
جھلکیاں امید کی آتی ہیں چہرے پر نظر — کاٹ لیتا ہے مگر جس وقت محنت کا ثمر
یا محمد ﷺ کہہ کے اٹھتا ہے وہ اپنے کام سے — ہائے کیا تسکین اسے ملتی ہے تیرے نام سے

اسی لئے مجدد ملت اعلیحضرت بریلوی فرماتے ہیں

ان کے نثار کوئی کیسے ہی رنج میں ہو — جب یاد آ گئے ہیں سب غم بھلا دیئے ہیں

لہذا جس جنگ وجہاد میں حضور پرنور ﷺ خود جلوہ گر ہوں، عاشقان حبیب ﷺ کے کیف وسرور اور سکون واطمینان کا کون اندازہ کر سکتا ہے۔

ہاں ایک اور بات بھی قابل غور ہے، حضور پرنور ﷺ نے خندق کھدوا کر اپنی امت کو یہ بھی سمجھا دیا کہ ضرورت کے مطابق جدید سے جدید ہتھیار بھی ضرور استعمال کرو، ایسا نہ ہو کوئی کم نظر 'بدعت' کے بہانے تمہیں ہر دور کی نئی نئی ایجادات سے محروم رکھ کر ہلاکت کا باعث بنے۔سچ فرمایا قرآن پاک نے

**واعد و الھم ما استطعتم من قوۃ(۶۰)**

ترجمہ:اور ان کے لئے تیار رکھو جو قوت بن پڑے۔

☆......☆......☆

# فریضۂ دعوت و تبلیغ

﴿قسط اول﴾

**جماعت اسلامی نے کس قسم کا ذہن تیار کیا ہے، اس سلسلے میں ہمارے پاس ایک عظیم محقق اور علمی شخصیت یعنی شیخ الاسلام حضرت مدنی میاں دامت برکاتہم العالیہ آف کچھوچھا شریف کی تازہ تحریر آئی ہے قوم کے بہی خواہ ٹھنڈے دل سے اس پر غور کریں (ادارہ)**

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حامدًا و مصلیاً و مبسلًا

جماعت اسلامی کے ایک فرد کی جانب سے میرے پاس تین سوالات آئے۔ سوالات کو گہری نظر سے دیکھنے کے بعد سائل 'دیوانہ بکار خویش، ہشیار' کا مصداق نظر آیا۔ سوالات کے تیور بتا رہے ہیں کہ سائل اپنے سوالات کا جواب نہیں چاہتا اور نہ وہ کسی جواب کو تسلیم کرنے کا اپنے اندر کوئی جذبہ رکھتا ہے۔ یعنی وہ ایک خالی الذہن سائل محض نہیں ہے، بلکہ وہ اپنے طور پر عقیدہ و عمل کی ایک فیصلہ کن منزل تک پہنچ چکا ہے۔ اسی لئے اس نے پوری فنی چابکدستی کے ساتھ سوالات کے پردے میں جماعت اسلامی کی تحریک کی، دبے لفظوں میں تائید کی ہے اور اس کو 'مزاجِ شناسِ دین اسلام' بتایا ہے۔ اور ساتھ ہی ساتھ اشاروں اور کنایوں میں، اس جماعت کے علاوہ دوسری باطل جماعتوں ہی کا نہیں بلکہ 'سوادِ اعظم' کا بھی مذاق اور تمسخر اڑایا ہے۔ حتیٰ کہ صحابہ، تابعین اور تبع تابعین رضی اللہ عنہم پر جماعت اسلامی کے مذاق کے مطابق طنز و تعریض کیا ہے کہ یہ مقتدر ہستیاں، یا تو روح اسلامی سے خالی تھیں یا مزاج شناس اسلام نہیں تھیں۔ یا اتنی صلاحیت و استعداد ہی نہ رکھتی تھیں جس سے وہ اسلام پر صحیح طور پر سے عمل کر سکیں یا کرا سکیں۔ یعنی اسلام کو اس کے اصلی رنگ و روپ میں جاری و نافذ کرنے کی ان کے اندر کوئی قوت نہ تھی۔ لہذا رسول ﷺ کے لائے ہوئے اسلام کو ان لوگوں نے اپنے دل و دماغ اور عقیدہ و عمل سے نکال باہر کر دیا۔ اور ایک نئے اسلام کو ماننے والے بن کر رہ گئے۔ کیونکہ ان کے نزدیک رسول ﷺ کا لایا ہوا اسلام نا قابل عمل ہو چکا تھا ...........الحاصل...........انھوں نے رسول ﷺ کے لائے ہوئے اسلام کو چھوڑ کر، ایک ایسے اسلام کو اپنا لیا، جس کو اپنانے سے بہتر یہ تھا کہ لادینی راہ کو اپنا لیتے۔

یہ ہے خلاصہ ان خیالات جو سائل اپنے سوالات کے پردے میں پیش کرنا چاہتا ہے۔ میں نے تینوں سوالوں کا مختصراً جواب دیا۔ جس کا خلاصہ صرف اتنا تھا کہ سائل کا یہ خیال ہے کہ رسول ﷺ کا لایا ہوا اسلام، دور خلافت راشدہ کے بعد فنا ہو گیا، باطل ہے۔ دورِ خلافت راشدہ کے بعد صحابۂ کرام، تابعین اور تبع تابعین کرام رضی اللہ عنہم کا مقدس وجود، سائل کے اس خیال کا بطلان کر رہا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ قرآن کریم کی دو آیتیں اور ایک حدیث شریف بھی تحریر کر دی تھی۔ جن سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام اور وہی رسول ﷺ کا لایا ہوا اسلام دور خلافت میں بھی تھا، اور اس کے بعد بھی رہا۔ آج بھی ہے اور آج کے بعد بھی رہے گا۔ اب اگر کوئی یہ خیال کرے کہ یہ دعویٰ غلط ہے، کہ رسول ﷺ کا لایا ہوا اسلام آج بھی موجود ہے اور دور خلافت کے بعد بھی موجود تھا، تو اس خیال کرنے والے کے اعتراض کا روئے سخن کسی جماعت کی طرف نہیں، بلکہ براہ راست قرآن و حدیث اور ان کے واسطے سے خدا اور رسول کی طرف ہو گا۔ یہ تھا میرے جواب کا مرکزی خیال جس کو میں نے مختلف لب و لہجہ میں سمجھانے کی کوشش کی ہے۔ جواب کی تمہید کا بعض پیراگراف 'علیٰ سبیل

التر قی' اور ' **بعض علیٰ سبیل التنزل**'، گویا جملہ اصول افہام و تفہیم کو مدنظر رکھتے ہوئے گفتگو کی گئی تھی۔ زبان تحریر بھی بہت آسان اور سلیس تھی، لیکن جب سائل کے پاس جواب پہنچا تو ایک روایت کے مطابق، اس نے پورے جواب کو یہ کہہ کر نظر انداز کر دیا، کہ زبان بڑی سخت ہے۔ اردو آسان نہیں استعمال کی گئی ہے، جس کی وجہ سے جواب سمجھ میں نہیں آیا۔ یہ اطلاع جب مجھے ملی تو میں سراپا حیرت بن گیا کہ ایک طرف تو سائل یہ دریافت کرنا چاہتا ہے کہ 'ہم لوگوں کو کس اسلام کی دعوت دیں'، دوسری طرف اس کا مبلغ علم یہ ہے کہ معمولی سی اردو سمجھنے سے قاصر ہے۔ غور فرمایئے جو اتنی بھی صلاحیت نہ رکھتا ہوں کہ اردو کی ایک تحریر سمجھ سکے وہ قرآنِ کریم اور حدیث شریف کو کیا سمجھ سکے گا اور پھر کیا سمجھا سکے گا؟

یہ وہی دورِ فتنہ ہے جس کی نشان دہی مخبر صادق علیہ التحیۃ والتسلیم نے فرما دی تھی کہ بے علم لوگ مسند ارشاد و ہدایت اور سریر دعوت و افتاء پر نظر آئیں گے۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ خود بھی گمراہ رہیں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔ اگر میں سوالوں کے جواب میں اتنا کہہ دیتا کہ 'مہربان آپ نے اسلام کی جو تقسیم کر کے قدیم اسلام اور جدید اسلام کو ایک دوسرے سے الگ کیا ہے، یہ وہ بدعت سیہ ہے، نصوص قطعیہ جس کی تائید نہیں کرتے، بلکہ غیر مبہم الفاظ میں تردید کرتے ہیں۔ اس سے پتہ چل گیا کہ آپ نے بھی اسلام کو سمجھا ہی نہیں، لہذا اسلام کی دعوت دینے کے آپ مکلّف نہیں۔ اپنی بساط سے زیادہ پرواز کرنے کی کوشش نہ کیجیے۔ بس آپ کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ فرائض و واجبات اور موکدات شرعیہ کا علم حاصل کر لیجئے اور ان پر عمل کرتے رہئے۔ رہ گیا دعوت و تبلیغ کے اہم منصب کو سنبھالنا، تو اس کو ارباب علم و فقہ کے لئے چھوڑ دیجئے'۔ تو میرا یہ کہنا کافی ہو جاتا۔ لیکن پھر بھی میں نے جواب پوری متانت و سنجیدگی کے ساتھ دیا۔ اور اب جب کہ یہ معلوم ہو گیا ہے کہ منصب دعوت و تبلیغ پر پہنچنے کا خواب دیکھنے والا ہمارا سائل، اردو بھی سمجھنے کی صلاحیت نہیں رکھتا، تو اب مجھے یہ کہنے میں کوئی رکاوٹ نہیں کہ اردو کے چند غیر مقلدانہ ذہنیت اور 'اعتزال پسند نظریئے' سے بھرپور لٹریچرز کا پڑھنا اور ہے اور قرآن و حدیث کا سمجھنا اور......... دعوت و تبلیغ کا نام بار بار آ چکا ہے، لہذا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ میں یہ وضاحت کرتا چلوں کہ اللہ کی طرف سے جو فریضۂ دعوت و تبلیغ، امت مسلمہ پر عائد کیا گیا ہے، اس کا کیا مطلب ہے؟ اس فرض کی نوعیت کیا ہے؟ کیا امت کے سارے افراد اس کے مکلّف ہیں یا بعض؟ اس وضاحت کے بعد سائل، اچھی طرح سمجھنا چاہے تو سمجھ لے گا کہ اس کی اپنی منزل کیا ہے۔

.........ارشاد باری تعالیٰ ہے:

**کنتم خیر امة اخر جت للناس تا مرون بالمعروف وتنهون عن المنكر**

ترجمہ: ان ساری امتوں میں بہتر ہو جو لوگوں کیلئے ظاہر ہوئیں۔ کہ بھلائی کا تو تم حکم دو اور برائی سے روکو

حدیث شریف میں اس آیت کی یہ تفسیر کی گئی ہے:

**عن ابی هريرة كنتم خير امة اخرجت للناس قال خير الناس للناس يا تون بهم في السلاسل في اعناقهم حتي يدخلوا في الاسلام** (بخاری شریف جلد دوم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے **کنتم خیر امة اخرجت للناس** کے بارے میں روایت ہے کہ بہترین لوگ، لوگوں کیلئے لاتے ہیں ان کی گردنیں، زنجیروں میں (باندھ کر) تا کہ وہ اسلام میں داخل ہو جائیں۔ اس حدیث کے متعلق حاشیہ بخاری میں، 'عینی شرح بخاری' کے حوالے سے ہے:

**خير الناس للناس يا تون بهم في السلاسل.. الخ اى ينفعون للناس حيث يخرجون الكفار من الكفر و يجعلونهم مومنين با لله العظيم و بر سوله ﷺ روى عبد ابن حميد عن ابن عبا س هم الذى ها جرو مع الرسول ﷺ خير الناس للناس ياتون بهم في السلاسل :**

کا مطلب یہ ہے کہ نفع پہنچاتے ہیں لوگوں کو اس طور پر کہ، کفار کو کفر سے نکال کر خدائے عظیم اور رسول کریم ﷺ پر ایمان لانے والا بنا دیتے ہیں۔ عبد ابن حمید نے حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہم سے روایت کی ہے کہ، یہ وہی لوگ ہیں جنھوں نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ ہجرت کی ......... مذکورہ بالا آیت کریمہ کو حدیث شریف کی تفسیر مذکور نیز اس تفسیر کے حاشیہ کی روشنی میں دیکھا جائے تو چند نتیجے نکلتے ہیں۔

'اولاً' .........آیت مذکورہ میں خیر امت ان مجاہدین کو فرمایا گیا ہے، جنھوں نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ ہجرت فرمائی ہے۔

'ثانیاً' ......... 'امر بالمعروف' میں 'معروف' سے مراد ایمان ہے۔اور 'نہی عن المنکر' میں 'منکر' سے مراد کفر ہے۔

'ثالثاً' ......... 'امر بالمعروف' اور نہی عن المنکر' میں 'امر و نہی' سے مراد جہاد ہے۔اس لئے کہ جہاد اگر ایک طرف 'امر بالایمان' ہے تو دوسری طرف 'نہی عن الکفر' بھی ہے۔

'رابعاً' ......... خیر امت تمام امت مسلمہ کو نہیں کہا گیا بلکہ اس سے مراد صرف مجاہدین ہیں ......... الحاصل ......... اس آیت کریمہ کے کسی گوشے سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ 'امر بالمعروف یا نہی عن المنکر' کا مکلّف، امت اسلامیہ کا ہر ہر فرد ہے۔

......... ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

**ولتکن منکم امة یدعون الی الخیر ویامرون بالمعروف و ینھون عن المنکر (ال عمران:۱۰۴)**

ترجمہ: اور تمہاری ایک جماعت ایسی ہونی چاہئے جو بلائیں بھلائی کی طرف اور روکیں برائی ہے (معارف القرآن)

تفسیر بیضاوی میں اسی آیت کریمہ کی تشریح میں اس بات کی وضاحت کرتے ہوئے کہ 'امر بالمعروف' کا مکلّف ہر کس و ناکس نہیں۔فرماتے ہیں:

**لا نہ لا یصلح لہ کل احدٍ اذ للمتصدی شروط لا یشترک فیھا جمیع الا مة کا لعلم با لا حکام و مراتب الاحتساب و کیفیة اقامتھاو التمکن من القیام**

......... اسلئے کہ ہر ایک کو اس کی صلاحیت نہیں۔اسلئے کہ ایسا قصد کرنے والے کیلئے، چند شرطیں ہیں، جن میں ساری امت شریک نہیں۔مثلاً احکام، احتساب، کیفیت، اقامت، امر و نہی کا جاننا، اور تمکن من القیام، کا علم ......... اس کے فوراً ہی بعد فیصلہ کر دیا بھا خا

**طب الجمیع وطلب فعل بعضھم** یعنی .........

الحاصل ......... اس آیت میں خطاب تمامی امت کیا ہے۔لیکن سرف بعض افراد امت کا فعل مطلوب ہے۔

'جلالین شریف' میں اسی آیت کے تحت ہے:

**ومن للتبعیض لا ن ما ذکر فرض کفایة لا یلزم کل امة ولا یلیق بکل واحد کا لجا ھل**

......... یعنی آیت مذکورہ میں 'من' تبعیض کیلئے ہے۔اسلئے کہ حکم مذکور' فرض کفایہ ہے' تمام امت پر لازم نہیں، اور نہ ہر شخص کے لائق ہے۔ مثلاً جاہل ......... 'تفسیر جامع البیان' میں ہے:

**لا ن امر با لمعروف من فرض الکفایا ت وللمتصدی لہ شروط قال الضھاک ھم الصحابة والمجاھدون والعلماء والخطاب للجمیع**

......... اسلئے کہ 'امر بالمعروف' فرض کفایہ سے ہے اور ایسا کرنے والے کیلئے چند شرطیں ہیں' ضحاک' نے کہا ہے کہ وہ صحابہ و مجاہدین اور علماء ہیں، اور خطاب ساری امت سے ہے۔

اس دوسری آیہ کریمہ کو اس مذکورہ بالا تفاسیر کی روشنی میں دیکھا جائے تو یہ باتیں معلوم ہوتی ہیں۔

'اولاً' ......... ساری امت مسلمہ کو نہیں، بلکہ امت اسلامیہ میں سے سرف ایک جماعت کو دعوت خیر، 'امر بالمعروف' اور 'نہی عن المنکر' کی ہدایت دی جارہی ہے۔

'ثانیاً' ......... یہ امر مذکورہ یعنی دعوت امر و نہی ساری امت اسلامیہ پر فرض ہے۔لیکن یہ فرض، فرض کفایہ ہے۔اگر ایک جماعت نے ادا کر دیا تو ساری امت سبکدوش ہو جائے گی، ورنہ سب ماخوذ ہوں گے۔

'ثالثاً' ......... دعوت امر و نہی کی صلاحیت واستعداد ہر کس و نا کس میں نہیں ہوتی۔لہذا کسی ایسے دعوت و تبلیغ کے کام پر مامور کرنا جو اپنے اندر اس کی صلاحیت نہ رکھتا ہو" تکلیف ما لا یطاق' ہے اور **لا یکلف اللہ نفساً الا وسعھا** یعنی اللہ کسی نفس پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا۔

'رابعاً' ......... صرف یہ ہی نہیں کہ جاہل پر تبلیغ و ہدایت لازم نہیں بلکہ وہ اس کے لائق و سزاوار بھی نہیں۔

'خامساً' ......... داعی کے لئے کچھ شرطیں ہیں جو ساری امت میں مشترک نہیں۔ہر داعی کیلئے ضروری ہے کہ ان جملہ شرائط کا حامل ہو، 'تفسیر بیضاوی، نے ان شرطوں کی تصریح کی ہے۔

'سادساً' ......... آیت مقدسہ میں خطاب عام ہے لیکن مراد خاص ہے۔

'سابعاً' ......... دعوت امر و نہی کیلئے جس مقدس جماعت کا انتخاب کیا گیا ہے وہ صحابہ، مجاہدین، اور علماء کی جماعت ہے۔لہذا ہر کس و ناکس کو یہ امور سپرد کرنا یا کسی جاہل کو داعی، وآمر، وناہی بنا قرآن وسنت کی اتباع کے بجائے احداث وبدعت وضلالت ہے۔

......... ارشاد خداوندی ہے:

ادع الی سبیل ربک با لحکمة و المو عظة الحسنة وجا دلهم با لتی هی احسن ط (النمل:۱۲۴)

ترجمہ: بلاؤ اپنے پروردگار کی راہ کی طرف مضبوط تدبیر اور نصیحت کے ساتھ اور بحث کروان سے سب سے بہتر انداز سے

............اس آیت کی تفسیر میں قاضی بیضاوی فرماتے ہیں:

**ادع الی سبیل ربک الی الاسلام با لحکمة و المقامة المحکمة وھو الدلیل الموضح للحق و المزیل للشبھة الموعظة الحسنة الخطابات المقنعة و العبر النافعة الاولی لدعوته خواص الامة الطالبین للحقا ئق و الثانیة لدعوة عوامھم**

ترجمہ: بلاؤ اپنے رب کے راستہ، یعنی اسلام کی طرف، حکمت یعنی مقالات محکمہ سے۔ اور وہ ایسی دلیل ہے جو حق کو واضح اور 'شبہ' کو زائل کرنے والی ہے۔ موعظہ 'حسنہ' خطابات مقنعہ' اور نفع بخش عبرتوں کا نام ہے۔ پہلی قید خواص امت کی دعوت کیلئے ہے، جو حقائق کے طلبگار ہیں اور دوسری قید عام امت کیلئے ہے۔

قرآن کریم کی اس آیہ مبارکہ اور اس کی تفسیر سے چند امور روشن ہوئے۔

'اولاً'............ سبیل رب سے مراد اسلام ہے۔ حکمت سے مراد مقالہ محکمہ ہے۔ موعظہ 'حسنہ سے مراد خطابات مقنعہ اور نا فعہ عبرتیں ہیں۔

'ثانیاً'............ مقالہ محکمہ کے ساتھ دعوت، خواص امت کو دی جائے گی، جو حقائق کے چاہنے والے ہیں۔ اور خطابات مقنعہ نیز نفع بخش عبرتوں سے عام لوگوں کو دعوت دی جائے گی۔

'ثالثاً'............ داعی کیلئے 'سبیل رب' حکمت۔ موعظۂ حسنہ اور مجادلہ بطریق احسن، کی پوری معرفت ہونی چاہئے۔ اور ان پر عبور حاصل ہونے کے ساتھ ساتھ اسی کیلئے ان کے محل استعمال کی معرفت، نیز خواص و عوام کے مابہ الامتیاز کو اچھی طرح سمجھ لینا بھی ضروری ہے۔ الحاصل............ دعوت و تبلیغ اور ہدایت و اصلاح کی صاف لفظوں میں دعوت دینے والی اس آیت مقدسہ کسی جاہل کو مبلغ و مصلح اور داعی و ہادی بننے کی اجازت نہیں ملتی ہے۔

............ارشاد نبوی ہے:

**عن ابن عمر قال، قال رسول الله ﷺ بلغو اعنی ولو اية وحدثوا عن بنی اسرائیل ولا حرج ومن کذب علی متعمداً فلیتبوا مقعده من النار** (رواہ البخاری)

حضرت ابن عمر سے روایت ہے انھوں نے کہا کہ فرمایا رسول ﷺ نے پہنچادو میری طرف سے اگر چہ ایک ہی آیت ہو اور بنی اسرائیل کی روایتیں (عبرت کیلئے) ذکر کرو اس میں کوئی حرج نہیں اور) یاد رکھو) جو دانستہ طور پر مجھ پر جھوٹ باندھے گا یعنی جھوٹی روایتوں کی نسبت میری طرف کرے گا چاہئے کہ وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے۔

اسی حدیث شریف کی شرح میں ہے:

**قی ' بلغوا عنی' یحتمل و جھین احدھما اتسال السند بنقل الشقة عن مثله الی منتقھاه لان التبلیغ من البلوغ وھو انتھاء الشئی الیٰ غا یة و الثانی اداء اللفظ کما سمع من غیر تغیر و المطلوب فی الحدیث کلا الواجھین لو قوع ' بلغوا' مقا بلا لقوله حدثوا عن بنی اسرائیل ' مثلاً**

(مرقاۃ شرح مشکوٰۃ)

کہا گیا ہے کہ 'بلغوا عنی' دو وجہوں کا احتمال رکھتا ہے 'اول' متصل کرنا ہے سند کا نقل ثقہ کے ساتھ اسکے مثل سے منتہا تک اسلئے کہ تبلیغ بلوغ سے ما خوذ ہے اور وہ پہنچانا ہے چیز کو اس کے منتہی تک۔ 'دوم' ادا کرنا ہے لفظ جیسا کہ سنا بغیر تغیر و تبدل کے۔ اور حدیث میں دونوں صورتیں مطلوب ہیں بوجہ واقع ہونے ' بلغوا' کے۔ آپ کے قوم حدثوا عن بنی اسرائیل کے مقابل۔

اس حدیث شریف کو اگر اس کی شرح کی روشنی میں دیکھا جائے تو چند باتیں معلوم ہوتی ہیں:

'اولاً'............ 'بلغوا عنی' سے جس تبلیغ کی ہدایت کی جارہی ہے اس کی دو صورتیں ہیں جس کی تشریح اوپر ہو چکی ہے۔

'ثانیاً'............ مبلغ حریت کیلئے ضروری ہے کہ سند، اتصال سند اور ضعف و ثقہ راویوں کو پورا علم رکھے، گویا فن اسمار جال پر اس کی گہری نظر ہو۔

'ثالثاً'............ مبلغ حدیث کیلئے ضروری ہے کہ حدیث رسول ﷺ کو جس طرز بان رسالتمآب سے سنی ہے اسی طرح ان کو

دوسروں تک پہنچادے۔ ایسا نہ ہو کہ الفاظ رسول ﷺ میں اسکی طرف سے کوئی کمی وبیشی، عمداً یا سہواً ہو جائے۔ لہذا مبلغ حدیث اگر ایک طرف زبان و بیان کی صفائی رکھتا ہو یعنی الفاظ کے مخارج سے صحیح طور پر واقف ہو تو دوسری طرف حافظہ و یادداشت میں بھی کامل ہو۔

'رابعاً' ............مبلغ حدیث سے اگر حدیث شریف کے لفظ ومعنی میں اپنی طرف سے کوئی کمی بیشی، بھول چوک میں ہوگئی ہو تو معاف ہے، لیکن اگر اس نے جان بوجھ کر یہ جسارت کی ہے تو اس کا ٹھکانا جہنم ہے۔

'خامساً' ............اگر کسی دوسری قوم کی روایتوں کا ذکر لوگوں کو عبرت کیلئے کیا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں ............الحاصل............

اس حدیث شریف میں بھی دعوت وتبلیغ کو حق جہلا کو نہیں دیا گیا ہے۔ بلکہ یہ کام ارباب علم وفقہ کے سپرد کیا گیا ہے۔ علماء واولیاء کے علاوہ وعظ ونصیحت کا کام حاکم یا مامور من السلطنت کرتا ہے۔ جیسا کہ مندرجہ ذیل حدیث اوراس کی شرح سے ظاہر ہوتا ہے۔

............ارشاد ہوتا ہے:

**عن ابن عوف ابن ما لک الا شجعی قال قال رسول الله ﷺ لا یقص لا امیر او ما مور او مختال** (ابوداؤد، مشکوٰۃ)

ابن عوف ابن ما لک اشجعی سے روایت ہے۔ انھوں نے کہا کہ فرمایا یارسول ﷺ نے وعظ نہیں کہے گا مگر امیر یا مامور متکبر۔

مرقات شرح مشکوٰۃ میں ہے:

**ثم القص التکلم با لقصص والاخبار وقیل المراد بها الخطبة خا صة والمعنى لا يصدر هذا الفعل لامن هولاء الثلاثة والا ميرای حاکم او ماموراى ماذون له بذلک من الحاکم اومامور من عند الله کبعض العلماء والاولياء اومختال ای مفتخر متکبر طالب للریاسة**

پھر قص کے معنی قصے اور حکایتیں بیان کرنا اور مواعظ ہیں اور کہا گیا ہے کہ مراداس سے خاص کر خطاب کرنا ہے۔ اس کے معنی یہ ہے کہ یہ فعل ان تینوں کے علاوہ کسی اور سے صادر نہ ہوگا۔ امیر سے مراد حاکم ہے، اور مامور سے مراد حاکم کا اجازت یافتہ یا مامور من عند اللہ جیسے بعض علماء واولیاء۔ اور 'مختال' سے مراد 'مفتخر ومتکبر' ہے جو ریاست کا طالب ہے۔

............اس حدیث شریف اوراس کی شرح سے چند باتیں معلوم ہوئی۔

اولاً............وعظ کہنے والوں کی تین سورتیں ہیں جس کا ذکر صراحۃً حدیث شریف میں ہے۔

ثانیاً............ ما مور کی دو صورتیں ہیں 'ایک' مامور من السلطنت' دوم' مامور من عند اللہ۔ اس صورت میں واعظین کی چار قسمیں ہوگئیں۔ 'اول' امیر وسلطان' دوم' مامور من السلطنت' سوم' مامور من عند اللہ' چہارم' متکبر طالب حکومت وریاست۔

ثالثاً............مامور من عند اللہ سے مراد علماء واولیاء ہیں۔

رابعاً............اگر واعظ آمر یا مامور کچھ نہیں ہے تو یقینی طور پر اس کا متکبر اور طالب ریاست وشہرت ہونا متعین ہو جاتا ہے۔

خامساً............بعض لوگوں کے قول پر 'قص' سے مراد صرف خطبہ ہے۔ گویا خطبہ دینا بھی آمر یا مامور کا حق ہے۔ اس کے علاوہ جو بھی خطیب ہوگا اس کا شمار تیسری قسم یعنی 'مختال' میں ہوگا۔

سادساً............مختال بڑا ہی ابن الوقت ہوا کرتا ہے۔ چونکہ فقط اسٹیٹ وریاست کا وہ طالب ہوتا ہ، لہذا اس کا ہر کام وقت کے تقاضے کے مطابق ہوا کرتا ہے۔ یہاں تک کہ اگر دو وقت، دو متضاد تقاضے ہوں، تو وہ دونوں پر عمل کرے گا اور اسے اس کا غم نہ ہوگا کہ اس کے قول وعمل، تضاد وتخالف کا شکار ہو گئے ہیں۔ اور نہ اسے اس بات کا افسوس ہوگا کہ اس کو موجودہ قول وکردار اس کے ماضی کے قول وفعل سے رسہ کشی کر رہا ہے۔ اسے ان ساری باتوں سے کوئی مطلب نہیں۔ اسے تو اسٹیٹ چاہئے۔ جس کے دل ودماغ پر اسٹیٹ کا ایسا بھوت سوار نظر آئے اووہ اپنی مطلب برآری کیلئے پوری فنی چابک دستی کے ساتھ عوام کو یہ سمجھانے کی کوشش کرے کہ اسٹیٹ ہی 'کل اسلام' ہے تو ایسے شخص کے بارے میں یقینی طور پر یہ سمجھ لینا چاہئے کہ یہ بہت بڑا ابن الوقت ہے اور بیشک 'امیر جماعت مختالین' ہے۔

سابعاً............ چونکہ داعی وواعظ صرف آمر و مامور ہی (اپنی دونوں قسموں کے ساتھ) ہوسکتا ہے۔ لہذا ساری امت مسلمہ پر جس طرح ان کی اطاعت ضروری ہے اسی طرح یہ بھی لازم ہے کہ 'مختالین' کی اتباع سے اپنے کو بچائے۔ قرآن کریم نے بھی اللہ ورسول ﷺ کی اطاعت کے ساتھ ساتھ سرف 'اولی الامر' کی اطاعت کو ضروری قرار دیا ہے۔

# حضور نقش لاثانی قدس سرہ النورانی کی خدمت وصحبت کے فوائد وبرکات

پروفیسر محمد حسین آسی

حضور نقش لاثانی قدس سرہ کا سالانہ عرس مبارک ہر سال ۲ ذوالحج کو نقش لاثانی نگر میں ہوتا ہے اسی مناسبت سے یہ مضمون اور نظم شائع کی جا رہی ہے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

صحبت وخدمت کی برکات کے سلسلے میں جو کچھ عرض ہوا ' اس کا مشاہدہ قطب عصر' غوث زماں' شہنشاہ ولایت حضور نقش لاثانی علیہ الرحمتہ کی بارگاہ میں حاضر ہونے سے بخوبی ہو جاتا تھا۔ واللہ جو شخص بھی آئینہ دل کو غرور وتکبر اور حرص وہوا کی گرد سے پاک کر کے چند لمحے آپ کے حضور بیٹھ جاتا تھا' جان لیتا تھا کہ اس آفتاب معرفت وحقیقت کی نورانی شعاعیں کس طرح منور کرتی اور کر سکتی ہیں۔ بعض دفعہ حضور بالکل ساکت ہوتے اور حاضرین گویا سروں پر پرندے بیٹھے ہوئے ہیں' اندر کی دنیا انقلاب کی زد میں ہوتی' آنکھوں سے برسات کی جھڑی لگی ہوتی اور بغیر کسی ظاہر تلقین کے دنیا کی محبت' شہرت کی تمنا' جاہ ومال کی آرزو دم توڑنے لگتی۔ اللہ ہی سے لو لگانے کا جذبہ مضبوط ہوتا جاتا اور توبہ وانابت کی منزل سامنے ہوتی۔ کبھی یوں بھی ہوتا کہ حضور کسی ایک سے گفتگو فرما رہے ہیں اور اسے ہدایات سے نواز رہے ہیں مگر توجہ سے سب کے دل و دماغ سے ظلمتیں دور فرما رہے ہیں' سب کی روحیں رحمت کے پانی سے دھو رہے ہیں۔ یوں تو جس وقت بھی یہ نورانی صحبت میسر آتی' غنیمت تھی مگر تہجد کے وقت کی مجلس کا رنگ نہایت ہی منفرد ہوتا۔ خاص لوگوں کو اسی وقت بیعت سے مشرف فرمایا جاتا تھا۔ اہم امور و فرائض اسی وقت سونپے جاتے تھے۔ بعض زائرین کو اسی وقت رخصت کیا جاتا تھا۔ یہ ایسی رحمت وبخشش کی گھڑی ہوتی تھی جس کے بیان سے الفاظ قاصر ہیں۔ ہاں' وہ خوش نصیب جنہیں اس مخصوص حاضری کا شرف میسر ہوتا تھا' اس کی قدر وعظمت سے واقف ہیں۔ دوسرے حضرات '' ذوق ایں مے نہ شناسی بخدا تا نچشی'' کے مصداق ہیں۔ دن کے وقت حضور نقش لاثانی علیہ الرحمہ جلال میں بھی آجاتے تھے' (اگرچہ حضور رحمتہ للعلمین ﷺ کے نور نظر کی یہ جلالی شان بھی ہزار ہا رحمتوں کا موجب ہوتی مگر تہجد کے وقت تو جمال ہی جمال ہوتا تھا۔ ظاہر وباطن پر نوازشات' فکر ونظر پر عنایات' کرم ہی کرم' عطا ہی عطا' نور ہی نور' سرور ہی سرور کیوں نہ ہو اللہ کا بندہ' اللہ کا مظہر بھی تو ہے۔ یہ وقت وہ ہے جب اللہ کا لطف وجود بندوں کو خود پکارتا ہے۔ چنانچہ صحیحین کی روایت کے مطابق ہر روز رات کے آخری تیسرے حصے میں پہلے آسمان سے اعلان ہوتا ہے

**من یدعونی فاستجیب لہ من یسالنی فاعطیہ من یستغفرنی فاغفر لہ**

ترجمہ: کون ہے جو مجھے پکارے تو میں اس کو جواب دوں' کون ہے جو مجھ سے کچھ مانگے تو میں اسے عطا کروں' کون ہے جو مجھ سے استغفار کرے تو میں اسے بخش دوں۔

اب یہاں چند شواہد پیش کئے جاتے ہیں' جن سے حضور نقش لاثانی قدس سرہ کی صحبت وخدمت کی برکات کا کچھ اندازہ کیا جا سکے۔

**ا۔ نعلین مبارک** :۔ الحاج بابو شیخ ذوالفقار علی صاحب (فیصل آبادی) ایک ''بے مثال اجرت'' کا حال بیان کرتے ہیں۔

''۱۹۶۷ء میں مسجد ''ضیائے لاثانی'' زیر تعمیر تھی۔ میں فیصل آباد سے حضور نقش لاثانی قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو سرخ رنگ کی بھیگی ہوئی اینٹیں معمار کو پکڑانے لگا جس سے ٹوپی، قمیض، پاجامے سب پر سرخ نشانات پڑ گئے۔ نماز عصر کے بعد واپسی کے وقت پاک پتن شریف عرس مقدس میں شمولیت کی اجازت بھی مل گئی (اس سے قبل بھی میں خود حضور کے ساتھ یہاں حاضر ہو چکا تھا۔)

حاجی مقبول احمد مرحوم نے تازہ پراٹھے اور گڑ بھی عنایت فرما دیا۔

خیر روضہ سرکار لاثانی علیہ الرضوان پر سلام عرض کر کے چل دیا۔ ابھی کھیتوں میں تھا کہ پیچھے سے آہٹ سنی۔ مڑ کر دیکھا تو محمد حسین صاحب نعت خوان نے میرے ہاتھ میں حضور کے نعلین مبارک تھما کر فرمایا ''یہ وہی ہیں جنھیں ابھی ابھی چوم کر آئے ہو''۔

اس نعمت غیر مترقبہ کے ملنے پر اپنی عجیب کیفیت تھی' میں نے صوفی صاحب موصوف کو روکنے کی کوشش کی مگر وہ اور تیز ہو گئے۔ میں نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا ''سید کسی کا ادھار نہیں رکھتا''۔

دربار شریف آتے وقت سوچ رہا تھا' کاش کوئی عطیہ ملے' یہ کیا خبر تھی کہ وہ کچھ ملے گا جو میرے تصورات سے بھی فزوں ہوگا۔

ایک امیر خسرو تھے جنھوں نے اپنے مرشد حضرت نظام الدین اولیا علیہم الرحمتہ کے نعلین ستر مال تجارت سے لدے ہوئے اونٹ دے کر حاصل کیے اور شیخ نے فرمایا تھا ''خسرو تو نے سستا سودا کیا ہے''

ایک یہاں کی صورت کہ چند اینٹیں پکڑائیں اور نعمت دو جہاں مل گئی آج بھی یہ نعلین مبارک میری بوسہ گاہ محبت ہیں اور سرمایۂ حیات و عقیدت۔

**۲۔ حصول جنت** :۔ صوفی محمد صدیق پنجابی ثم سندھی مرحوم جو حضور نقش لاثانی قدس سرہ کے مخلص ترین خدام میں سے تھے اپنا واقعہ یوں سناتے تھے۔

''ایک دن عشاء کی نماز کے بعد دربار شریف کے ایک پرانے حاضر باش خادم سے گفتگو ہوئی۔ بات چیت کے دوران یہ مسئلہ زیر بحث آیا کہ ہم خدام کو تو دربار شریف میں رہنے کی سعادت حاصل ہے اور انشاء اللہ مرشد کامل مدظلہ ہماری شفاعت فرمائیں گے مگر ہمارے والدین جنہوں نے ہمیں جنا' ہماری پرورش کی اور دربار شریف سے وابستہ کیا' کا کیا بنے گا۔ طے یہ ہوا کہ حضور نقش لاثانی سے اپنی تشویش کا اظہار کرنا چاہیے چنانچہ میں حضور کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوا اور اپنی پریشانی عرض کی۔ حضور نے ارشاد فرمایا ''نماز عشاء کے بعد دو نفل حق الوالدین کے پڑھ لیا کرو' رب تعالیٰ اپنے حبیب پاک ﷺ کے صدقے کرم فرمائے گا''۔

میں واپس آ کر سو گیا تو رات خواب میں جنت کی سیر کرتا رہا۔ وہیں ایک جگہ اپنی والدہ مرحومہ کی زیارت بھی ہوئی۔ میرے پوچھنے پر انہوں نے بتایا کہ آج ہی جنت میں داخل ہوئی ہوں

صبح ایک مجلس میں حضور نقش لاثانی علیہ الرحمہ جلوہ گر تھے۔ میں بھی حاضر ہوا تو حضور نے فرمایا' لوگ تو جنت جا کر دیکھیں گے' صوفی رات کو خواب میں اس کی سیر کرتا ہے''۔

**۳۔ مرنے کے بعد حج** :۔ ایک درویش جس پر حضور نقش لاثانی قدس سرہ کی خاص نظر کرم تھی اور ہے' کی والدہ وفات پا گئیں۔ کسی کے خواب میں آ کر بتانے لگیں۔

''مجھے حضور قبلہ عالم نے حج بھی کرا دیا ہے۔ میں تو گنہگار تھی مگر یہ کرم میرے بیٹے کی وجہ سے ہوا جو ہر روز دربار شریف حاضر ہوتا ہے''۔

بعض دوسرے عزیزوں نے بھی مرحومہ کو خواب میں بہت اچھے لباس اور بہت اچھی حالت میں دیکھا۔

**۴۔ جنت کا ادنیٰ درجہ**: ایک بار حضور نقش لاثانی علیہ الرحمہ موضع ٹریٹی میں ایک نادر کتاب بستان العارفین جو حضور کے بستے میں ہوتی تھی' پڑھ کر حاضرین کو سنا رہے تھے۔ بیان تھا جنت کی وسعت کا، اس سلسلے میں ادنیٰ جنتی کے بارے میں فرمایا (یعنی ادنیٰ جنتی کے حصے میں جنت کی اتنی زمین آئے گی) پھر فرمایا یہ ادنیٰ جنتی کا حصہ ہے موج دین (جو دربار شریف کا ایک عام درویش تھا اور مویشیوں کے آگے چارہ وغیرہ ڈالا کرتا تھا) کا نہیں (یعنی اس کے مقابلے میں بہت زیادہ جنت ملے گی۔) ایک اور بار ایک دوسرے عزیز غلام سرور گھمن کے بارے میں یہی فرمایا۔

**۵۔ قبر کا حال** :۔ میری (یعنی مصنف کی) حقیقی ہمشیر کو ایک بار

پریشانی سی لاحق ہوگئی کہ نہ جانے قبر میں کیا حال ہوگا۔ایک رات سوئی ہوئی تھیں کہ خواب میں خودکو دیکھا جیسے فوت ہوگئی ہوں اور کفن پوشی اور جنازہ خوانی کے بعد دفن کر دیا گیا ہو اور انہیں قبر کے حساب و کتاب والے فرشتوں (یعنی نکیرین) کا گویا انتظار بھی شروع ہوگیا ہو مگر وہ آنہیں رہے۔ ہاں ایک چھوٹا سا بچہ کہیں سے آگیا ہے وہ پیار کے انداز میں چھیڑ چھاڑ کرتا ہے۔تیسرے دن قبر پر حضور نقش لاثانی تشریف لائے تو پوچھا ''کوئی تکلیف تو نہیں'' میں نے عرض کیا ''حضور اور تو کوئی تکلیف نہیں البتہ ایک چھوٹا سا بچہ پریشان کرتا رہتا ہے۔''

حضور نے قبر میں ہاتھ ڈال کر اسے بھی نکال لیا اور فرمایا اب سکون سے رہو۔ یہ خواب تھا اور اس کے چند روز بعد حضور نقش لاثانی پھگواڑی تشریف لائے میں نے ہمشیر سے حضور کی خدمت میں خواب سنانے کی درخواست کی۔حضور نے خواب سنا تو خدا کا شکر ادا کیا اور حاضرین سے فرمایا دعا کرو سب کا خاتمہ یوں ہو اور بغیر حساب کتاب کے خدا بخش دے۔(یہ حضور رحمۃ اللہ علیہ کا انکسار تھا)

**۶۔ جان کی حفاظت**: محمد شفیع صاحب درویش گوجر برادری سے تعلق رکھتے ہیں اور ان کا گاؤں ظفر وال سے آگے بارڈر کے علاقے میں ہے۔ان کے سسرال بھی اسی علاقے سے تعلق رکھتے ہیں۔ بیوی کے ساتھ ان بن تھی اور آخر کار سسرال والے بھی انھیں ٹھکانے لگانے پر تل گئے۔ایک بار انہیں اپنے ہاں بلایا اور رات کو کسی مخصوص جگہ سلایا۔ارادہ یہی تھا کہ رات گئے اپنے پروگرام پر عمل کیا جائے۔اچانک ایک اجنبی آگیا اور رات بھر محمد شفیع صاحب کی چارپائی پر بیٹھا رہا۔صبح سویرے جب لوگ جاگ اٹھے' اس مسافر نے اپنی راہ لی اور محمد شفیع صاحب کو وہاں سے کھسک جانے کا اشارہ کر گیا۔ گویا مرشد کامل کے تصرف نے کسی اجنبی کو بھیج کر درویش کی جان بچالی۔

**۷۔ میس منیجر**:۔ ماسٹر نعمت علی صاحب نے (۵۵/ر۔ب برج فیصل آباد) بیان کرتے ہیں

''میں ستمبر ۱۹۶۲ء میں ٹریننگ کیلئے گورنمنٹ نارمل پسرور میں داخل ہوا' جبکہ دوسرے طلبہ یکم مئی سے آغاز کر چکے تھے۔وہاں رہنے کے لئے کوئی کمرہ مل رہا تھا نہ ٹھہرنے کیلئے کسی سے آشنائی۔ ایک دن کی چھٹی آئی تو دربار شریف کا ارادہ کر لیا' (حالانکہ اس سے پہلے میں کبھی یہاں حاضر نہیں ہوا تھا بلکہ بیعت سے بھی مشرف نہیں تھا) مقصد یہ بھی تھا کہ اپنی پریشانی کے بارے میں عرض کرآؤں۔ مغرب کی نماز آپ کے ساتھ پڑھی مگر عرض والتجا کا موقع نہ بنا۔صبح ایک درخت کاٹنے کا حکم ہوا دن بھر اس میں مصروف رہے۔کبھی کبھی حضور بھی تشریف لاتے تو مسکرا کر فرماتے ''ہمارے ماسٹر جی کو زیادہ وزن اٹھانے دو'' کام سے فارغ ہوئے اور عرض کرنے کا ارادہ کیا اتنے میں حضور بھی نمودار ہو گئے اور دیکھتے ہی فرمانے لگے ''ماسٹر جی پانی پیو اور جلد از جلد سکول پہنچو''۔غرض سکول پہنچا تو میس منیجر کا انتخاب ہو رہا تھا۔زبردست پارٹی بازی کی بنا پر کوئی فیصلہ نہیں ہو رہا تھا۔ میں گھبراہٹ کے عالم میں ایک طرف کھڑا ہو گیا۔چودھری محمد اشرف گھمن صاحب (سپرنٹنڈنٹ نے میری طرف اشارہ کر کے فرمایا کیا وہ مظفر والا لڑکا منظور ہے۔کوئی میرے نام تک سے واقف نہ تھا پھر بھی بیک آواز شور اٹھا ''منظور ہے'' مجھے کاندھوں پر اٹھا لیا گیا اور نعرہ بازی شروع ہو گئی۔ پھر کیا تھا طالب علم تو ایک طرف رہے' کوئی دکاندار بھی ایسا نہیں تھا جو مجھ سے واقف نہ ہوا ہو''۔

**۸۔ کالج کی حاضری**: (مصنف کا بیان) میں نے ایف اے اور بی اے جناح اسلامیہ کالج سیالکوٹ سے کیا۔ان چار سالوں میں دربار شریف میں کئی بار حاضر ہوا۔کبھی بعض دوست بھی ساتھ ہوتے تھے۔اس عرصے میں یہ بات عام طور پر مشاہدے میں آئی کہ جب بھی کالج چھوڑ کر روانہ ہوئے' ہمارے بعد نہ کالج میں حاضری لگی اور نہ پڑھائی ہوئی مثلاً کبھی کوئی میچ شروع ہو جاتا یا جلسہ وغیرہ یہ بات ہمارے علاوہ اور بہت سے عزیزوں کے تجربے میں بھی کئی بار آئی ہے۔

۱۹۷۵ء میں پھر مجھے اسی کالج میں بطور معلم خدمات سر انجام دینے کا موقع ملا۔اب دربار شریف کی حاضری پہلے کی نسبت بہت زیادہ تھی بلکہ حضور نقش لاثانی علیہ الرحمۃ سفر میں بھی اکثر معیت کا شرف بخشتے پھر بھی صورت حال اس سے مختلف نہ ہوتی (کچھ تفصیل آگے آئے گی)

**۹۔ کٹائی کی برکات:** اس کی تفصیل زراعت کے باب میں دیکھئے یہاں مرزا سلطان بیگ کا بیان ملاحظہ ہو۔

"مجھے بیعت کئے قریباً چھیالیس سال ہو گئے ہیں۔ ہر سال کٹائی میں شامل ہوتا ہوں۔ ایک بار کٹائی کے بعد اجازت چاہی تو حضور نقش لاثانی نے فرمایا" آپ بڑے خوش قسمت ہیں" (یونہی تین بار فرمایا) میرے اباجی وفات پا گئے۔ میں نے تشریف لانے کیلئے عرض کیا تو فرمایا آ تو نہیں سکتا مگر آؤں گا۔ میں نے عرض کی "ہم گنہگار ہیں"۔ فرمایا "خدا کرم فرمائے گا"۔

مرشد کامل قدس سرہ کے فرمان کے مطابق اللہ کا فضل اور اپنی خوش قسمتی دیکھ رہا ہوں۔

**۱۰۔ سکون کی دولت:** ۔ جناب عظمت علی تتلا ایم اے بی ایڈ مدتوں تبلیغی جماعت میں پھنسے رہے۔ پھر مرشد کامل حضور نقش لاثانی قدس سرہ کی برکت اور دعا و توجہ نے انہیں اس دلدل سے نکالا اس رہائی کے بعد وہ پہلی بار سالانہ عرس مقدس کے موقع پر دربار شریف حاضر ہوئے تو یہاں پرال کے گٹھے ایک جگہ سے اٹھا کر دوسری جگہ لگوائے جا رہے تھے۔ واپس جا کر انہوں نے اپنے جذبات تحریری طور پر لکھ بھیجے جن میں ایک جملہ یوں تھا۔

"حضور سولہ سال تبلیغی جماعت کے ساتھ بستر اٹھائے پھرنے میں وہ سکون نصیب نہیں ہوا جو چند لمحے دربار شریف میں پرال کے گٹھے ادھر سے ادھر منتقل کرنے میں ہوا ہے"۔

**۱۱۔ مصیبت ٹل گئی:** ۔ چوہدری امیر عالم ساکن خیرا (تحصیل شکر گڑھ) راوی ہیں۔

"ہماری فوجی یونٹ (بنگلہ دیش کے قیام سے پہلے) مشرقی پاکستان جا رہی تھی اور اس لئے ہمیں دو مہینوں کی چھٹی مل گئی۔ اس مصیبت سے بچنے کے لئے ہم میاں بیوی حضور نقش لاثانی کی خدمت میں دربار شریف حاضر ہوئے تو گندم کو ہوا لگانے کے بعد چھت پر سے سوراخ کے ذریعے نیچے کمرے میں گرایا جا رہا ہے۔ میری ڈیوٹی کمرے میں لگ گئی کہ فوجی جوان پھاوڑے سے ہٹاتا جائے۔ کافی دیر کے بعد خوب پسینہ آ چکا تو باہر نکلا کچھ پسینہ خشک ہوا تو فرمایا" پہلے میری مرضی سے جو کچھ کر رہے تھے اب اپنی مرضی سے کرو" خیر میں دوبارہ کمرے میں داخل ہوا اور خوب زور لگا کر پسینہ خشک کرنے کے لئے باہر ہوا میں آ گیا۔ اب حضور نے بلایا اور فرمایا "پانی پیو گے"۔ میں نے عرض کیا "نلکے سے پی آتا ہوں"۔ پانی پی کر آیا تو عرض کیا "حضور میرے ساتھ زیادتی ہو رہی ہے کہ بنگال کو دوسری بار بھیجا جا رہا ہوں"۔ تھوڑی دیر کی خاموشی کے بعد فرمایا "اپنے کسی افسر سے کہا" عرض کی "میں نے اپنے افسر سے (یعنی آپ سے) کہہ دیا ہے" پھر یہی تاکید ہوئی اور پھر واپسی کی اجازت مل گئی۔ پھر چند قدم گیا تو پھر بلایا اور فرمایا "اپنے کسی افسر سے کہہ دینا" عرض کیا "میرا آپ سے بڑا افسر اور کوئی نہیں ہے کسی اور سے کیوں کہوں" فرمایا "اچھا دیکھتے ہیں کون تمہیں بنگال بھیجتا ہے"۔ چھٹی ختم ہونے پر واپس یونٹ میں گیا تو آئی مصیبت ٹل گئی"۔

**۱۲۔ مدینہ شریف کی حاضری:** ۔ (مصنف کی کہانی)

"۱۹۷۶ء میں دربار عالی میں تعمیراتی پروگرام جاری تھا۔ یہ عاجز بھی خدمت اقدس میں تھا اور تعویذ نویسی پر تعینات تھا (اگرچہ فراغت کے وقت دوسری خدمات بھی سرانجام دے لیتا تھا۔)

ایک دن حضور نقش لاثانی قدس سرہ کا دریائے رحمت جوش میں آیا تو ارشاد ہوا "میں اس بار تجھ سے بہت راضی ہوں تو نے میرا آدھا بوجھ ہلکا کر دیا"۔

(یہ محض بندہ نوازی تھی ورنہ حقیقتاً اس عاجز سے کیا ہوا اور کیا ہو سکتا تھا) لطف و کرم کا یہ انداز دیکھ کر عرض کیا "حضور مدینہ شریف حاضر ہونا چاہتا ہوں"۔

چند روز بعد معلوم ہوا کی حضور حج پر روانہ ہو رہے ہیں۔ اپنی انتہائی بے بضاعتی کے باوجود ساتھ لے جانے کی التجا کی تو کریم عطا پرور نے منظور فرمائی۔ (اور یہ اسی خوشی کی برکت تھی) ذرا سوچئے مہینہ ڈیڑھ مہینہ تعویذ لکھنے پڑا اگر حج و زیارت کی دولت عطا ہو جائے تو یہ حضور رحمۃ للعلمین ﷺ کی آل پاک کے جود و سخا ہی کی کرشمہ سازی ہو سکتی ہے۔ وہ لوگ جنہیں میرے حالات کا علم ہے اس کرم پر سخت متعجب ہوئے

کوئی اندازہ کر سکتا ہے ان کے لطف و رحمت کا
جو خوش ہوں تو عطا کر دیں شرف حج و زیارت کا

**۱۳۔ خدا بہتر کرے گا:**۔ (محمد صالح درباری کے والد) چوہدری بشیر احمد صاحب (چک سانگہ) کا بیان ہے

''ہم ایک مقدمے میں الجھے ہوئے تھے فریق مخالف کے پاس زر بھی تھا اور زور بھی۔ دربار شریف حاضر ہوا تو حضور نے تین دن روکے رکھا۔ چوتھے دن صبح سویرے بلا کر فرمایا ''اس بار قابو آ گئے اس لئے تین دن رہنا پڑا'' پھر ارشاد ہوا ''جا کر پٹواری سے ملنا'' عرض کی ''مخالف تو گرداور تک رسائی حاصل کر چکے ہیں'' حضور نے کچھ تھوڑی دیر اوپر دیکھا اور فرمایا ''ٹھیک ہے تم جاؤ اللہ بہتر کرے گا''۔ واپس آیا تو راستے میں ایک آدمی نے گرداور کے تبادلے کی خوشخبری سنائی اور پھر کام بھی پٹواری کے ذریعے ہو گیا''۔

**۱۴۔ غربت دور ہو گئی:**۔ محترمہ صغریٰ بی بی (موضع بوعہ) آپ بیتی سناتی ہیں۔

''ہمارے ہاں ایسی غربت تھی کہ فاقے آتے تھے۔ میں نے دربار شریف حضور کی خدمت میں جانا شروع کر دیا۔ ایک بار دربار شریف سے گھر پہنچی تو بچے فاقے کی وجہ سے رو رہے تھے۔ میرا شوہر مجھے کوسنے لگا کہ 'تو علی پور چلی جاتی ہے۔ پیچھے ہم کیا کریں'۔ میں بھی رونے لگی روتے روتے اونگھ آ گئی تو (خواب میں دیکھا) لوگ کہہ کر رہے ہیں حضور قبلہ نقش لاثانی مسجد لاثانی (واقع بوعہ) میں تشریف لا چکے ہیں۔ میں وہاں گئی تو معلوم ہوا آپ نمازیوں کی حویلی میں جلوہ افروز ہیں۔ وہاں حاضر ہوئی تو حضور نے دیکھ کر فرمایا ''صغریٰ بی بی کیوں گھبرا گئی ہو'' اور پھر ایک خادم کو دو گٹھی گندم عطا فرمائی اور حکم دیا اسے صغریٰ بی بی کے گھر رکھ آؤ جو دوسرے محلے میں ہے۔ اتنے میں مجھے بچوں نے جگا دیا اٹھی تو دل مطمئن تھا۔ پڑوسن سے آٹا لائی اور بچوں کو پکا کر کھلایا۔ اگلی صبح طلوع آفتاب کے وقت وہی درویش جسے حضور نے خواب میں گندم لے جانے کا حکم دیا تھا' بالکل اتنی گندم لے کر آ گیا۔ اب بحمدہ تعالیٰ خوش حال ہوں مگر یہ فیض بھی انہیں کا ہے''۔

☆......☆......☆

## حضور نقش لاثانی قدس سرہ

﴿شاعر دیار خودی' سیف الاسلام جناب ڈاکٹر قمر تابش مرحوم﴾

مہک اٹھی ہے پھر دل میں ولائے نقش لاثانی !!
ہے جی میں حشر تک لکھوں ثنائے نقش لاثانی!
شکوہ دولت و ثروت' عروج عظمت و سطوت!
مرا جو کچھ بھی ہے یا رب فدائے نقش لاثانی
میں ٹھوکر میں نہیں رکھتا وقار دارا و جم کو !
ہے کافی مجھ گداگر کو عطائے نقش لاثانی !!!
سحاب رحمت آل محمد ﷺ ہے مرے سر پر !!!!
مرے سر پر تنی ہے جو ردائے نقش لاثانی !
مرا جو نام ہے معدوم ہو جائے زبانوں سے !
مری پہچان بن جائے گدائے نقش لاثانی !!!!
علی پور کی حدوں میں جب بھی جاتا ہوں تو لگتا ہے
وہ آئے نقش لاثانی ' وہ آئے نقش لاثانی !!
میں تیرا نام لکھ کر آنسوؤں سے چوم لیتا ہوں
تری یاد مقدس جب ستائے نقش لاثانی !!!!
خدا وندا مرا ادراک مہکا دے عقیدت سے !!
مجھے لکھنا ہے شعروں میں ثنائے نقش لاثانی
گرا سکتا نہیں اس کو کوئی شداد دوراں پھر !
جسے نظر عنایت سے اٹھائے نقش لاثانی !!
میں اس کو بادشہ لکھوں ' شہنشاہ زماں لکھوں
جسے بہر غلامی خود بلائے نقش لاثانی !!!
مجھے کچھ ڈر نہیں ہے حدت خورشید محشر کا !!
مرے سر پر تنی ہے اب ردائے نقش لاثانی !!!!
وہی تو کامیاب و کامراں ہے ہر زمانے میں !!!
جسے آداب جینے کے سکھائے نقش لاثانی !!!!!
انہی کا ہے مرا سب کچھ' مرا سب کچھ انہی کا ہے
میر جاں بھی ' مرا دل بھی برائے نقش لاثانی !!!!
فصاحت' یہ بلاغت' یہ خطابت ' یہ سخندانی !!!
یہ سب کچھ ہے عطائے نقش پائے نقش لاثانی !!
یہی دیں گے' انہی سے مانگ ہر نعمت قمر تابش
رضائے مصطفیٰ ہے در رضائے نقش لاثانی !!!!

# اور سنچری مکمل ہو گئی!

فاتح مرزائیت
محمد طاہر عبدالرزاق

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وہ دو دن اور دو راتوں کے بعد واپس لوٹا ہے۔ اس کا جسم تھکن سے چور ہے۔ اس کے اعضاء اس سے سکون طلب کر رہے ہیں۔ اس کی آنکھیں اس سے نیند کا سوال کر رہی ہیں۔ اس کی ابھرتی ہوئی جوانی، وجیہ چہرہ اور کندھے پر لٹکی ہوئی کلاشنکوف دیکھ کر مرشد اقبال رحمتہ اللہ علیہ کا وہ رزمیہ کلام پڑھنے کو جی چاہتا ہے۔

یہ غازی یہ تیرے پر اسرار بندے
جنہیں تو نے بخشا ہے ذوق خدائی
دو نیم ان کی ٹھوکر سے صحرا و دریا
سمٹ کر پہاڑ ان کی ہیبت سے رائی
دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو
عجب چیز ہے لذت آشنائی!
شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن
نہ مال غنیمت نہ کشور کشائی

☆☆☆

ہر لحظہ ہے مومن کی نئی شان نئی آن
گفتار میں کردار میں اللہ کی برہان
قہاری و غفاری و قدوسی و جبروت
یہ چار عناصر ہوں تو بنتا ہے مسلمان
جس سے جگر لالہ میں ٹھنڈک ہو، وہ شبنم
دریاؤں کے دل جس سے دہل جائیں وہ طوفان

وہ ایک پہاڑ کی چھوٹی سے کھوہ میں آ کر بیٹھ گیا۔ جہاں وہ بیٹھا ہے، اس سے دو فٹ کے فاصلے پر پتھر کی نوک سے اٹھاسی (۸۸) کا ہندسہ لکھا ہوا ہے۔ وہ آتے ہی اپنے ہاتھ سے ۸۸ کا ہندسہ مٹا کر ۹۳ کا ہندسہ لکھ دیتا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ اس کشمیری گوریلہ فائٹر نے پہلے اٹھاسی ہندو جہنم واصل کئے تھے، اب تازہ شکار کرنے کے بعد ان کی تعداد ۹۳ ہو گئی ہے۔ وہ پندرہ بیس منٹ ستانے کے بعد پہاڑ کی کھوہ سے باہر نکلا تا کہ ارد گرد کا جائزہ لے سکے۔ باہر کشمیر اپنے فطری حسن کا جادو جگا رہا تھا۔ اس کے قریب ہی ایک شفاف پانی کی ندی گنگناتی ہوئی اپنی منزل کی طرف رواں دواں تھی۔ سارا دن روشنیوں کی بزم سجا کر سورج ایک سرخ گولے کا روپ دھار کر مغرب کی گود میں سونے کے لئے جا رہا تھا۔ چرواہے اپنی مسحور کن مخصوص آواز میں بھیڑ بکروں کو پہاڑی چراگاہوں سے اپنی جانب بلا رہے تھے۔ صبح سویرے رزق کی تلاش میں نکلے ہوئے پرندے ٹولیوں کی صورت میں واپس اپنے گھونسلوں کی طرف لوٹ رہے تھے۔ آسمان کی وسعتوں میں کہیں کہیں سفید آوارہ بادل تیر رہے تھے۔

مغرب کی نماز کا وقت ہوا تو شیر خان نے قریبی پہاڑی ندی سے وضو کیا اور زمین پر ایک چھوٹی سے چادر بچھا کر اپنے رب کے دربار میں حاضر ہو گیا۔ نماز سے فراغت کے بعد شیر خان نے اپنے ہاتھ دعا کیلئے پھیلا دئے اور اپنے مالک سے راز و نیاز کی گفتگو کرنے لگا۔ دعا کے بعد اس نے اپنے ہاتھ چہرے پر پھیرے ہی تھے کہ اسے دور سے کوئی شخص اپنی جانب دوڑتا ہوا نظر آیا۔ اسے آتا دیکھ کر شیر خان چیتے کی طرح چوکنا ہو گیا اور اپنی کلاشنکوف کی نالی اس کی جانب سیدھی کر لی۔ لیکن قریب آنے پر اسے دیکھ کر شیر خان کے لبوں پر مسکراہٹ

پھیل گئی اوراس نے آگے بڑھ کراس کا استقبال کیا اوراسے زور سے سینے سے لگالیا۔آنے والا اس کا مجاہد ساتھی تھا، جواس کے لئے ایک اہم پیغام لئے کرآیا تھا۔آنے والے مجاہد نے اسے بتایا کہ ہمیں ابھی ابھی خبر ملی ہے کہ بھارتی فوجیوں کی مدد کیلئے اسرائیلی کمانڈوز کشمیر پہنچ گئے ہیں اور وہ ڈل جھیل کے کنارے ایک ہاؤس بوٹ میں مقیم ہیں۔آج ہمارا ان پر شب خون مارنے کا پروگرام بن چکا ہے۔تم رات بارہ بجے فلاں مقام پہنچ جانا۔کمانڈر کی ہدایات کے بعد ٹھیک رات اڑھائی بجے حملے کا پروگرام ہے۔پیغامبر پیغام دے کر چلا گیا۔

عشاء کی نماز پڑھنے کے بعد شیر خان تھوڑی دیر کے لئے سو گیا۔وہ ٹھیک بارہ بجے بتائے ہوئے ٹھکانے پر پہنچ چکا تھا۔وہاں پر پہلے سے پہنچے ہوئے مجاہد اس کا انتظار کر رہے تھے۔۔سب مجاہد ایک دوسرے سے بغل گیر ہوئے ،ایک دوسرے کی خیریت دریافت کی ،پھر باقاعدہ میٹنگ کا آغاز ہوا۔سارے پروگرام کو حتمی شکل دی گئی۔کمانڈر نے سب مجاہدین کو حکم دیا کہ وہ دو نفل صلوۃ حاجت ادا کریں۔سب نے صلوۃ حاجت ادا کی۔اس کے بعد کمانڈر نے ایک ولولہ انگیز اور جہاد پرور تقریر کی ،جس نے مجاہدین میں ایک نیا جوش اور جذبہ پیدا کر دیا۔اس کے بعد کمانڈر نے اپنی مہم کی کامیابی کے لئے ایک رقعت انگیز دعا مانگی،جس سے مجاہدین کی آنکھیں بھیگ گئیں۔سوا دو بجے سات مجاہدین پر مشتمل یہ قافلہ ڈل جھیل کی طرف روانہ ہوگیا۔ڈل جھیل تک پہنچنے کیلئے مجاہدین نے ایک انتہائی محتاط راستہ اختیار کیا۔وہ پھونک پھونک کر قدم رکھ رہے تھے۔ان کے راستے کی سب سے بڑی مشکل ایک چھوٹی اور عارضی فوجی چوکی تھی، جہاں پر چھ ہندو فوجی تعینات تھے۔ مجاہدین نے دور سے چوکی کو دیکھا تو انہیں کوئی فوجی نظر نہ آیا۔آخر شیر خان کی بہادری اور جنگی مہارت کو دیکھتے ہوئے کمانڈر نے اس کی ڈیوٹی لگائی کہ وہ چپکے چپکے جائے اور چوکی کا جائزہ لے کر آئے۔

شیر صف شیر خاں نے بصد خوشی اس چیلنج کو قبول کیا اور کلاشنکوف کندھے پر لٹکائے ہوئے چیتے کی پھرتی سے اپنے ہدف کی طرف روانہ ہوگیا۔وہ پھونک پھونک کر قدم اٹھاتا بڑھتا چلا جا رہا تھا۔ جب چوکی تقریباً دو سو فٹ کے فاصلے پر رہ گئی،تو وہ کہنیوں کے بل رینگتا ہوا چوکی کی طرف بڑھنا شروع ہوا۔چوکی کے قریب جا کر وہ دیکھتا ہے کہ وہاں ایک بلب روشن ہے، جس کی روشنی میں اسے تین ہندو فوجی صاف نظر آ رہے تھے۔تینوں کے ہاتھوں میں شراب کی بوتلیں تھیں اور وہ جام سے جام ٹکراتے ہوئے غٹا غٹ شراب پی رہے تھے۔شیر خان چند قدم مزید آگے بڑھا اور اس نے دیکھا تینوں ہندو فوجی بری طرح شراب میں بدمست ہو چکے ہیں اور انہیں اپنے آپ کا ہوش نہیں۔ہندو فوجیوں کے پاس بہت سی شراب کی خالی بوتلیں بکھری پڑی تھیں، جو بلب کی روشنی میں چمک چمک کر اپنے وجود کا اظہار کر رہی تھیں۔اتنی زیادہ تعداد میں خالی بوتلوں سے شیر خاں نے اندازہ لگایا کہ باقی تین ہندو فوجی شراب کے نشہ سے چور ہو کر اندر کمرے میں پڑے ہوں گے۔جوش میں آ کر اس کا جی چاہا کہ وہ ایک یلغار میں ان سارے ہندو فوجیوں کو واصل جہنم کر دے لیکن امیر کی اطاعت نے اسے ایسا کرنے روک دیا۔

وہ انتہائی احتیاط سے واپس پلٹا اور کمانڈر کو ساری صورت حال سے آگاہ کیا۔کمانڈر نے سب کو بلایا اور فوجی چوکی پر چپکے سے بجلی کی سرعت سے حملہ کرنے کا پروگرام بنایا مجاہدین احتیاط کا دامن تھامے چھپتے چھپتے چوکی طرف بڑھے اور چوکی کے قریب پہنچ کر انہوں رینگنا شروع کر دیا۔کمانڈر،جس کا نام خالد تھا،مجاہدین کی قیادت کر رہا تھا۔ چوکی کے بالکل قریب پہنچ کر کمانڈر خالد نے ہندو فوجیوں اور گردونواح کا جائزلیا، پھر اس نے ہاتھ کے اشارہ سے حملہ کا سگنل دیا۔مجاہدین طوفانی لہروں کی طرح بپھرے ہوئے ان پر لپکے اور آناً فاناً انہیں دبوچ لیا۔تین مجاہدین نے کمرے میں پڑے شراب کے نشے میں دھت فوجیوں کو قابو کر لیا اور پھر ان سب کے منہ اور آنکھوں پر پٹیاں باندھ دی گئیں ان کے ہاتھ الٹی طرف باندھ دیئے گئے اور پھر شیر خان نے بے آواز پستول سے ان مردودوں کو جہنم واصل کر دیا۔اب شیر خان کا سکور ۹۹ ہو چکا تھا۔مجاہدین نے فوجیوں سے حاصل کردہ اسلحہ قریب ہی ایک محفوظ مقام پر چھپا دیا تاکہ آپریشن سے واپسی پر اسے وہاں سے حاصل کرسکیں۔

اب مجاہدین کا رخ اپنے اصل ہدف ڈل جھیل کی طرف تھا۔ وہ ڈل جھیل کے قریب پہنچ گئے اور عقاب کی آنکھوں سے ہاؤس بوٹ کا جائزہ لینے لگے اور پھر بجلی کی پھرتی سے ہاؤس بوٹ کو گھیرے میں لے لیا،۔کمانڈر خالد نے اپنی گرجدار آواز میں ہاؤس بوٹ میں چھپے ہوئے کمانڈوز کو ہتھیار پھینکنے کا حکم دیا، لیکن اندر سے کوئی جوابی آواز نہ آئی۔

اسرائیلی کمانڈوز گرفتار کرنے کیلئے جونہی شیر خان ہاؤس بوٹ میں داخل ہونے لگا تو ایک اسرائیلی کمانڈو نے اس پر کلاشنکوف کا فائر کھول دیا۔ گولیاں اس کے جسم کا چھلنی کرتی ہوئی نکل گئیں اور وہ خون میں نہا گیا، لیکن شیر خان کی فوری جوابی فائرنگ سے اسرائیلی کمانڈو بھی وہیں ڈھیر ہو گیا.......... اور پھر سب مجاہدین کی جوابی فائرنگ سے خاموش فضا خوفناک تڑتڑ سے گونج اٹھی۔ اسرائیلی کمانڈوز کی جانب سے فائرنگ بند ہو گئی اور وہ ہاؤس بوٹ کے ایک کونے میں دبک کر بیٹھ گئے۔ فضا میں پھر کمانڈر خالد کی گرجدار آواز گونجی اور اس نے اسرائیلی کمانڈوز کو خبردار کیا کہ اگر تم نے خود کو ہمارے حوالے نہ کیا تو ہم ابھی دستی بموں سے ہاؤس بوٹ کے پرخچے اڑا دیں گے۔ یہ اعلان سن کر اسرائیلی کمانڈوز نے خود کو مجاہدین کے حوالے کر دیا۔

اسرائیلیوں کی کل تعداد آٹھ تھی، جن میں سے ایک شیر خان کے ہاتھوں ہلاک ہو چکا تھا۔ مجاہدین نے انتہائی عجلت سے ان کمانڈوز کے ہاتھ الٹے باندھے اور ان کے منہ اور آنکھوں پر پٹیاں باندھ دیں اور انہیں ہانکتے ہوئے اپنے ایک خفیہ مقام پر لے آئے۔ دو ساتھیوں نے اپنے ہاتھوں میں زخمی شیر خان کو اٹھایا ہوا تھا، جو شدید زخمی تھا۔ خفیہ مقام پر پہنچتے ہی مجاہدین نے اسرائیلی کمانڈوز سے پوچھ گچھ کا سلسلہ شروع کر دیا۔ مجاہدین اس بات پر سخت حیرت میں تھے کہ ان کے قیدی اسرائیلیوں کی طرح گورے چٹے نہیں بلکہ گندمی اور سانولے رنگ کے ہیں۔ ان کے نقوش اور چہرے مہرے بھی اسرائیلیوں جیسے نہیں۔ اس کے علاوہ وہ عربی بھی نہیں بول سکتے تھے، صرف انگریزی میں بات چیت کرتے تھے۔ مجاہدین کی ڈانٹ ڈپٹ پر انہوں نے بتایا کہ وہ پنجابی اور اردو بڑی روانی سے بولتے ہیں۔ مجاہدین نے ان سے کہا کہ تم اسرائیلی معلوم نہیں ہوتے.......... پھر ہمارے مخبر نے تمہیں اسرائیلی کیوں کہا؟

ہلکے تشدد کے بعد انہوں نے انکشاف کیا کہ وہ قادیانی ہیں اور ان کا تعلق پاکستان سے ہے۔ وہ اسرائیلی فوج میں باقاعدہ بھرتی ہیں۔ اور انہوں نے گوریلا ٹریننگ اسرائیل سے ہی حاصل کی ہے۔ انہوں نے بتایا کہ اس وقت اسرائیلی فوج میں ایک ہزار قادیانی بھرتی ہیں انہوں نے مجاہدین کو یاد دلاتے ہوئے کہا کہ بھٹو دور میں قومی اسمبلی میں یہ ہنگامہ خیز آواز اٹھی تھی کہ اسرائیل میں چھ سو قادیانی فوجی بھرتی ہیں۔ اس سلسلہ میں قومی اسمبلی کے ممبران کو دستاویزی ثبوت بھی دکھائے تھے۔ انہوں نے مجاہدین کو بتایا کہ بھارت کی مدد کیلئے کئی اور محاذوں پر بھی قادیانی جاسوسی اور فوجی خدمات پر مامور ہیں۔ پاکستان اور آزاد کشمیر میں اعلیٰ عہدوں پر جو قادیانی بیٹھے ہیں، ہمارے ان کے ساتھ مسلسل رابطے ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ نسلاً اسرائیلی کمانڈوز کی بجائے انہیں صرف اسی لئے بھیجا گیا ہے کہ وہ شکل سے ہندوستانی معلوم ہوتے ہیں اور کوئی شخص ہمیں چہرے کی شناخت سے اسرائیلی نہیں کہہ سکتا۔ مجاہدین نے اسرائیلی کمانڈوز سے مزید معلومات حاصل کرنے کیلئے انہیں اپنے ہیڈ کوارٹرز بھجوا دیا۔

خون میں نہایا ہوا شیر خان اپنی زندگی کے آخری سانس لے رہا تھا۔ اس کے خون کی خوشبو اردگرد کی فضا کو معطر کر رہی تھی۔ اس کے چہرے پر ایک عجیب بانکپن اور مسکراہٹ تھی۔ اتنا خون بہنے کے باوجود اس کی آنکھوں میں جگنو چمک رہے تھے۔ وہ انتہائی خوش تھا کہ وہ اپنی مہم مکمل کر چکا ہے۔ رات اپنی مسافت ختم کر چکی تھی۔ مؤذن نے صبح کی اذان دی.......... جب مؤذن نے اللہ اکبر.......... اللہ اکبر کی پکار دی.......... تو اپنے اللہ کا نام سن کر شیر خان کے چہرے پر اک مسکراہٹ پھیل گئی اور اس لطیف مسکراہٹ کے ساتھ ہی اس کی لطیف روح قفس عنصری سے پرواز کر کے سوئے جنت روانہ ہو گئی.......... وہ جنت.......... جہاں حوریں اس کے انتظار میں بے قرار ہوئی جا رہی تھیں.......... جہاں جنت کی بہاریں اس کیلئے چشم براہ تھیں.......... جہاں کوثر و تسنیم بہتی ہیں.......... جہاں مشک و عنبر لبریز ہوائیں چلتی ہیں.......... جہان جنتیوں کے لئے تختوں پر گاؤ تکئے بچھائے جاتے ہیں.......... جہاں ہر خواہش لب پر آنے سے پہلے پوری ہو جاتی ہے.......... جہاں شہدوں کا استقبال کیا جاتا ہے..........

جب تک جلیں نہ دیپ شہیدوں کے لہو سے
سنتے ہیں کہ جنت میں چراغاں نہیں ہوتا

پہاڑ کی کھوہ میں شیر خاں کے مقدس ہاتھو سے ۹۳ کا ہندسہ لکھا ہوا موجود تھا.......... لیکن شیر خان تو سات مزید کافر جہنم رسید کر کے اپنی سنچری مکمل کر چکا تھا۔ کاش کوئی وہاں جا کر ۹۳ کے عدد کو مٹا کر ۱۰۰ لکھ دے تا کہ پہاڑ کو بھی پتہ چل جائے کہ اس کی دھرتی کا بیٹا اپنی سنچری مکمل کر چکا ہے۔

## غزلِ جدید

کون ہے ایسا جو جاگے اور جگائے قوم کو
ہر کوئی چاہئے کہ سوئے اور سلائے قوم کو

ایسا لیڈر صورتِ حالات کی آواز ہے
غور سے جو راہ دیکھے اور دکھائے قوم کو

قعرذلت میں گری ہے دیر امت دیر سے
کاش اب تو کوئی اٹھے اور اٹھائے قوم کو

اہل ہے واللہ ملت کی قیادت کا وہی
عشق کا نشہ جو پی پی کے پلائے قوم کو

کفر اپنی راہ پہ قائم ہے اور بے خوف ہے
راہ پر اب قوم کا قائد بھی لائے قوم کو

منتظر ہیں ماہ و پرویں اس کے جو اس دور میں
آسمانوں پہ اڑے اور پھر اڑائے قوم کو

ساری دنیا سے جو آگے تھے وہ پیچھے رہ گئے
اتنا تو احساس ہو اب پیشوائے قوم کو

دامن دل اب ہے احساس زیاں سے بھی تہی
کھا گئی کس کی نگاہِ بد ہے ہائے قوم کو

راز وہ حسن بقائے قوم کو سمجھے گا کیا
جو سمجھتا ہی نہیں وہ بنائے قوم کو

حاکمان وقت کو ہے ایسے لیڈر کی تلاش
جو شیاطیں سے ڈرے اور پھر ڈرائے قوم کو

مصلحت بینی ہو جس کی زندگی کا مدعا
یاد رکھے پیٹ کو اور بھول جائے قوم کو

میرے مرشد سب ہیں غفلت کی ہنسی میں مبتلا
کر دعا رو رو کے آسیؔ اب رلائے قوم کو

......حضور مفکر اسلام پروفیسر محمد حسین آسیؔ......

kicked | him
Then I held
and sook h
tooked was
t was about
fteen) ~~or~~ yares

worked in
shop
erent nationalities
re used t
remained ope
night.

uct of the p
aw the Incide
so good. Tha
o) help
e Passed D bu

AL-HAQIQA
December 2005
Reg. No. C.P.L 590

یارب العلمین جل جلالہٗ

غوث الاغیاث قطب الاقطاب فرد الافراد سید الاسیاد سند الاسناد قیوم زمانی قندیلِ نورانی شہنشہ

اعلیحضرت عظیم البرکت حضور پیر
سیّد علی حسین شاہ
نقش لاثانی

# شہنشاہِ ولایت

۲ ذوالحجہ ۱۴۲۶ھ
۳ جنوری ۲۰۰۶ء بروز منگل بجے تا نمازِ ظہر
بمقام محلہ نقشِ لاثانی نگر شکر گڑھ

کا عُرس

زیرِ صدارت
زبدۃ الصالحین عمدۃ السالکین مصدرِ فیوض و برکات پیکرِ انوار تجلیات وارث شہنشاہ لاثانی شاہکار حضور نقش لاثانی
زیب سجادہ لاثانی
اعلیحضرت پیر سیّد محمد اسمٰعیل شاہ صاحب دامت برکاتہم العالیہ
علی پور سیداں شریف

ملک بھر سے جید علماء ... تشریف لا رہے ہیں

انتظامیہ
رانا طلعت محمود، عبدالروف خان، شجاعت علی مجاہد، رانا محمد طارق، مولانا محمد عطاء الحق، حاجی شوکت علی
حاجی عبدالرزاق، حافظ محمد اظہر، محمد نعیم سہیل، صوفی محمد آصف، محمد تنویر ...

پروفیسر محمد حسین آسی
شیرانِ اسلام و مجلہ الحقیقہ